زمین کے وقفی و غصبی ہونے سے متعلق نفیس اور مدلل و مفصل بحث پر مشتمل علمی و تحقیقی رسالہ منیفہ مسمی بالتاریخ

منح القدیر الحیّ

فی إجابة سؤل اللیّ ثم الحیّ

(۱۳۵۰ھ)

اللہ قدیر و حَی کی عطائیں، غلط پھر درست سوال کے جواب میں

وقفی اور غصبی زمین کا شرعی حکم

تصنیف

شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام حضرت

مفتی محمد حامد رضا خان

علیہ الرحمۃ والرضوان

تحقیق، تخریج، تحشیہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری مشن، مالیگاؤں

اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر، مالیگاؤں

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

0092 303 2886671 /makhtarraza1011

زمین کے وقفی و غصبی ہونے سے متعلق نفیس اور مدلل و مفصل بحث پر مشتمل علمی و تحقیقی رسالہ منیفہ مسمی بالتاریخ

مِنَح القدیر الحیّ فی إجابۃ سؤل اللیّ ثم الحیّ

۰ ۵ ۳ ۱ ھ

اللہ قدیر و حَی کی عطائیں، غلط پھر درست سوال کے جواب میں

وقفی اور غصبی زمین کا شرعی حکم

تصنیف

شہزادہ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ مفتی محمد حامد رضا خان

علیہ الرحمۃ والرضوان

تحقیق، تخریج، تحشیہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

ناشر

نوری مشن مالیگاؤں

تفصیلات

کتاب: منح القدیر الحی فی اجابۃ سؤل اللی ثم الحی
اللہ قدیر وحی کی عطائیں، غلط پھر درست سوال کے جواب میں

مصنف: شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ

تحقیق، تخریج، تحشیہ: مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی خلیفہ تاج الشریعہ و محدث کبیر
نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ

ناشر: نوری مشن مالیگاؤں و اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر مالیگاؤں

سلسلہ اشاعت: ۱۲۳

قدیم اشاعت: ۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۱ء

جدید اشاعت: بموقع عرس رضوی ۱۴۴۲ھ اکتوبر ۲۰۲۰ء

ملنے کا پتہ

مدینہ کتاب گھر، مدینہ مسجد، آگرہ روڈ مالیگاؤں ضلع ناسک

gmrazvi92@gmail.com

انتساب

فقیر اپنی اس کاوش کو

امام علم و فن حضرت علامہ مفتی افضل حسین مونگیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام معنون و منسوب کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

حضور حجۃ الاسلام کا یہ مبارک رسالہ، آپ ہی کی لائبریری سے دستیاب ہوا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ ۱۳؍ جون ۱۹۱۹ء بروز جمعہ مبارکہ صبح صادق کے وقت موضع بوانا صوبہ بہار میں ہوئی۔ مختلف مدارس میں علوم دینیہ مروجہ کی تحصیل فرمائی۔ شعبان ۱۳۵۹ھ ستمبر ۱۹۴۰ء میں مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف سے تکمیل علم کی سند حاصل کی۔ اور وہیں مسند تدریس وافتاء پر فائز ہو گئے۔ طویل مدت تک مدرسے میں شیخ الحدیث، صدر المدرسین اور دارالافتاء کے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ملکی بٹوارے کے وقت پاکستان تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ خصوصی نوازشات سے مشرف ہوئے۔ اور ۱۹۵۳ء میں تمغہ اجازت و خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

حضور ریحان ملت علامہ ریحان رضا خاں، حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری، علامہ ابراہیم خوشتر رضوی، امام علم و فن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی جیسے علماے مشاہیر علم و ادب کے بلند پایہ محققین آپ کی صف تلامذہ میں شامل ہیں۔ مختلف علوم و فنون خاص کر نحو، صرف، منطق، حکمت، فلسفہ، توقیت، ہیئت، فقہ، عربی ادب کے حوالے سے آپ نے تقریبًا پچاس علمی و تحقیقی کتابیں لکھیں۔ بہت سے منفرد موضوعات پر مقالے و مضامین تحریر فرمائے۔

الغرض آپ ایک زبردست فقیہ، عظیم ادیب، ماہر مدرس، بے مثال مصنف اور بہت سے علوم و فنون پر دسترس رکھنے والے بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ اپنے دور کے محقق مسائل جدیدہ تھے۔

۲۰؍ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں آپ کا وصال ہوا۔ سکھر پاکستان میں مزار شریف ہے جو آج بھی مخلوق کا مرجع بنا ہوا ہے۔

نیاز کیش:

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولابویہ
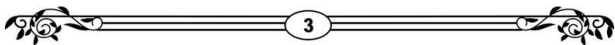
دعائیہ کلمات

شہزادہ صدر الشریعہ، مقدام العلما والفقہا، حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دامت معالیہم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس وقت میرے سامنے امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے شہزادہ اکبر سیدنا **حجۃ الاسلام** علیہ الرحمۃ کا ایک مفصل فتوی بنام **"منح القدیر الحی"** بغرض اظہار تاثر حاضر ہے ۔ در اصل حضور حجۃ الاسلام سے کسی نے یہ سوال کرکے فتوی حاصل کیا کہ فلاں شخص نے ایک وقفی قبرستان کو غوثیہ خاتون سے خرید کر اس کی احاطہ بندی کرلی ہے اور قبریں بھی مسمار کردی ہیں۔ اس سوال کا جو شرعی جواب ہونا چاہیے تھا وہ دیا گیا۔ سائل نے فتوی حاصل کیا پھر طبع کرا کے تقسیم کردیا۔

اس زمین کے خریدار نے اصل صورت حال کاغذی ثبوت کے ساتھ پیش کرکے استفتا کیا۔

اسی استفتا کے جواب میں حضور حجۃ الاسلام نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ استفتا اور اس کے مالہ وماعلیہ کا مفصل جواب تحریر فرمایا۔ جواب کے ہر جز اور ہر گوشہ کو فقہی جزئیات، رسم المفتی اور ضوابط حکم سے مزین فرمایا، بعض بعض جگہوں پر آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ بھی پیش فرمائی۔ اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد ایک مفتی کو افتاء کے بہت سے اصول وضوابط اور فتوی نویسی کے طرز وترتیب کی بصیرت حاصل ہوسکتی ہے۔

اس رسالہ کو شائع کرنے میں مولانا **مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی** نے کوشش پیہم سے کام لیا اور رسالہ میں حوالہ کی عربی عبارتوں کا حاشیہ پر سلیس بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا۔ اور حوالہ کی عبارتوں کے ساتھ کتاب کے نام جلد، صفحہ وغیرہ بھی تخریج کیا، جو ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔

بہرحال مولانا موصوف کی جدوجہد سے ایک علمی سرمایہ اپنے تعارف کے ساتھ منظر عام پر آگیا۔ رب قدیر حضرت **مولانا محمد ذوالفقار خان نعیمی** کو جزائے خیر دے۔ اور آپ کی قلمی خدمات کو قبول فرمائے اور اس میں بھی مزید پختگی پیدا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وسلم

حضور حجۃ الاسلام کا ایک اور شاہ کار منظر عام پر

حضرت علامہ محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی صاحب ایڈیٹر
ماہنامہ سنی دنیا و مفتی مرکزی دارالافتاء بریلی شریف

شیخ الانام حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز امام احمد رضا کے شہزادے اور "الولد سر لابیہ" کے مصداق کامل تھے، آپ نے اعلیٰ حضرت کی نیابت کا حق ادا کر دیا، خواہ وہ علمی میدان ہو یا عملی میدان، اللہ رب العزت نے آپ کو ایسی موہنی اور مقناطیسی صورت عطا فرمائی تھی کہ ہر دیکھنے والے کو اس میں اپنی منزل مقصود نظر آتی، یہی وجہ ہے کہ ارباب حل و عقد نے آپ کو "حجۃ الاسلام" قرار دیا۔

لیکن افسوس کہ آپ جس بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے، اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا جاسکا، دانشوران قوم و ملت نے "حجۃ الاسلام" کی ذات بابرکات سے کس بنا پر پہلوتہی کی، میں آج تک اس کی وجہ نہیں سمجھ پایا، اصحاب قلم و قرطاس کے اس رویئے نے مجھے مہمیز کیا اور آپ کی تحریریں، آپ کے فتاویٰ اور آپ کے کتب و رسائل جمع کرنے شروع کیے، نتیجے کے طور پر "فائحۃ الریاحین بطیب آثار الصالحین" (تبرکات کی خوشبو کے نام سے) "اجتناب العمال عن فتاوی الجھال" (قنوت نازلہ کب جائز نام سے) اور "فتاویٰ حامدیہ" (بشمول مذکورہ رسائل) جیسے آپ کے رشحات قلم منظر عام پر آئے۔

اس دوران مجھے آپ کو پڑھنے، جاننے اور سمجھنے کا بھرپور موقع ملا، آپ کی متنوع شخصیت کے رنگا رنگ پہلوا جاگر ہوئے جنھیں راقم "معارف حجۃ الاسلام" کے نام مرتب کر رہا ہے جو عن قریب قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر ہوگا۔

آپ کی تحریرات و تصنیفات کی تلاش و جستجو میں ملک و بیرون کے اصحاب قلم سے رابطہ رہتا ہے، اسی سلسلے میں محب مکرم حضرت مفتی ذوالفقار خان نعیمی صاحب خلیفہ تاج الشریعہ و محدث کبیر، سے بھی رابطہ ہے، جب انہوں نے بتایا کہ حضور حجۃ الاسلام کا ایک رسالہ دستیاب

ہوا ہے جس کی تخریج اور جدید پیرائے میں ترتیب کا کام میں نے شروع کر دیا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی، اظہار مسرت کے ساتھ میں نے مفتی صاحب کو اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ سب انتظام ہو چکا ہے اور ان شاء اللہ الرحمٰن رسالہ عرس رضوی کے حسین موقع پر زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے مطالعے کی میز پر ہو گا۔

بہر حال وقف شدہ اور غصب کردہ زمین کے شرعی احکام سے متعلق مضبوط دلائل وبراہین سے مزین حضور حجۃ الاسلام کا یہ معرکۃ الآرا رسالہ اب مفتی ذوالفقار صاحب کی تخریج اور نئی ترتیب کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ورق الٹیے! اور اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین کا سامان کیجیے!

مولیٰ تعالیٰ حضور حجۃ الاسلام کے مرقد انور پر رحمت وانوار کی بارشیں نازل فرمائے اور مرتب وناشر کی اس سعی بلیغ کو شرف قبولیت عطا فرمائے،

آمین بجاہ طٰہٰ و یاسین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا و مفتی مرکزی دارالافتاء بریلی شریف

جانشین اعلیٰ حضرت کی علمی رعنائیاں

محترم غلام مصطفیٰ رضوی نوری مشن مالیگاؤں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ نے علم وفضل کی بلند چوٹیوں پر شوکتِ اسلامی کے پھریرے نصب کیے۔ آپ کے دونوں شہزادگان حضور حجۃ الاسلام و حضور مفتی اعظم بھی علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب تھے۔ اِس تحریر میں اعلیٰ حضرت کے فرزند اکبر اور جانشین حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ کا تذکرہ مقصود ہے۔

۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری کی ولادت ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے "محمد" نام رکھا۔ عرفیت حامد رضا تجویز فرمائی۔ آپ نے ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ مسند افتا کو رونق بخشی۔ تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ جامعہ منظر اسلام کے اہتمام وانصرام میں بھی حصہ لیا۔ قابل تلامذہ تیار کیے۔ آپ نے قطبِ مارہرہ مطہرہ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمۃ سے بیعت کا شرف پایا۔

آپ کے اخلاق وکردار کا حسن چہرے سے جھلکتا تھا۔ کئی مقامات پر یہ ذکر موجود ہے کہ آپ کا چہرہ دیکھ کر غیر مسلم داخلِ اسلام ہوجاتے۔ یقیناً سچ ہے کیوں کہ ہم نے ان کے پوتے کا چہرہ دیکھا ہے۔ وہ محفلیں ہمیں یاد ہیں جب آپ کے پوتے حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا دیدار کر کے کتنے ہی بدعقیدہ سُنّی بن جاتے تھے۔ کئی غیر مسلم شرک سے تائب ہوکر صاحبِ ایمان بن جاتے تھے۔

آپ کی تصانیف میں اسلاف کا اسلوب تحقیق موجزن ہے۔ تصانیف میں استدلال کی گہرائی و گیرائی ہے۔ قادیانی فتنے کے رد میں آپ نے عہد شباب میں "الصارم الربانی" (۱۳۱۵ھ) تحریر کی، جس میں کثرت دلائل اور کتبِ حدیث وفقہ کے اس قدر حوالے ہیں کہ ان کی توضیح وتشریح کی جائے تو ڈاکٹریٹ کا ضخیم مقالہ تیار ہوجائے۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ حج کی سعادت پائی۔ اکابر حرمین سے استفادۂ علمی کیا۔ "حسام الحرمین" پر تصدیقات کے حصول میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں "الدولۃ المکیۃ" کی تصنیف میں اعلیٰ حضرت کی معاونت کی۔ یہ تصنیف لگ بھگ ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل تھی، حرم پاک میں اس کی کئی نقلیں تیار کرنے میں حصہ لیا۔ ان پر

حجاز و شام اور دیگر اماکن اسلامیہ کے مشاہیر کی تصدیقات لیں۔

آپ کی تصانیف، تراجم اور فتاویٰ میں تحقیقی عظمتیں بھی ہیں، علمی موشگافیاں بھی اور مسلکِ سلف صالحین کی ترجمانی بھی۔ آپ کا زہد و تقویٰ مثالی تھا۔ آپ کی تحریکی خدمات مشعلِ راہ ہیں۔ آپ نے انگریز کی مخالفت بھی کی اور مشرکین ہند کی سازشوں سے پردہ بھی اُٹھایا۔ معاصر سیاسی تحریکات کی خلافِ شریعت روش پر گرفت کی۔ سیاسی لیڈران کے غیر شرعی محرکات پر برملا اظہار خیال فرمایا۔

۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ حفاظت دین اور عقائد کی سلامتی کے لیے مسلسل سرگرم عمل رہے۔

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں والد ماجد اعلیٰ حضرت کے وصال پر نمازِ جنازہ آپ نے ہی پڑھائی۔ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ نیابت کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا۔ ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ نے کئی اسفار کیے۔ حجاز مقدس گئے۔ لاہور گئے۔ بہار گئے۔ یوپی کے کئی علاقوں میں تشریف لے گئے۔ جے پور، جودھپور، جبل پور اور میرٹھ کا سفر کیا۔ اجمیر مقدس گئے۔ تمام سفر خدمت دین کے لیے کیے۔ جن میں کثرت سے خلقت نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ علما و مشائخ سے علمی ملاقاتیں رہیں۔ حجۃ الاسلام نے علم و فضل اور روحانیت کے کئی خیمے نصب کیے۔ مشن اعلیٰ حضرت "تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کے لیے تا عمر متحرک و فعال رہے۔

نوری مشن نے حضور مفتی اعظم کی نوری نسبتوں کے فیض سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ "رضویات" کو مقصد و مدعا قرار دیا۔ اسی کا فیض ہے کہ ہر منزل پر کامیابی کے علَم نصب ہو رہے ہیں۔ اشاعتی کارواں کا یہ ۱۲۳ر واں پڑاو ہے، کہ حجۃ الاسلام کی تصنیف کی اشاعت کی سعادت مل رہی ہے۔ ہم اس کتاب کی تخریج و تحشیہ کے لیے مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی کے ممنون ہیں۔ موصوف سنجیدہ اسکالر، محنتی محقق اور علم دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور مرتب محترم کو جزائے خیر دے۔ آمین بجاہ حبیبہٖ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

غلام مصطفیٰ رضوی

نوری مشن مالیگاؤں۔ ۲۸ر ستمبر ۲۰۲۰ء

حجۃ الاسلام اور رسالہ منیرہ منح القدیر الحی فی اجابۃ سؤل اللی ثم الحی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ مفتی محمد حامد رضاخان رضوی بریلوی قدس سرہ القوی کی ذات بابرکات بلند وبالاصفات کے تعارف کے لیے کسی لمبے چوڑے تعارف نامے،کی ضرورت نہیں بلکہ صرف "حجۃ الاسلام" بولتے ہی ارباب علم ودانش اور علم دوست عوام الناس کا ذہنی تبادر بریلی شریف محلہ سوداگران خانقاہ عالیہ رضویہ پہنچ جاتا ہے۔

امام اہل سنت کے یہ بڑے صاحبزادے بلاشبہ بڑے پایے کے محقق، محدث، مفسر، مناظر، مصنف، مدرس، عربی فارسی کے عظیم ادیب ہونے کے ساتھ بے مثال فقیہ و مفتی تھے۔

والد گرامی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے زیر تربیت قدیم وجدید بہت سے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ فتوی نویسی کا معیار اس قدر بلند کہ والد گرامی کی سرپرستی وموجودگی میں بریلی شریف کے دارالافتاء سے ایسے بہت سے معرکۃ الآرافتاوی تحریر فرمائے جنہیں اہل علم کے نزدیک خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کے عہد مبارک کے مشہور رسائل واخبارات میں آپ کے فتاوی کی خوب اشاعت ہوتی تھی اس سے آپ کے فتاوی کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر رسائل وکتب تصنیف فرمائیں۔

زیر نظر رسالہ "**منح القدیر الحی فی اجابۃ سؤل اللی ثم الحی**" ایک علمی وتحقیقی فتوی پر مشتمل معرکۃ الآرار سالہ ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۵۰ھ میں تحریر کیا گیا۔ سرورق پر کتاب کے نام کے ساتھ کئی تاریخیں درج ہیں جنہیں یہاں بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

سرورق کے مقدم حصہ پر الحمد للہ کے بعد

"**نفیس فتاوی مبارکہ امام الانام حجۃ الاسلام**" تحریر ہے۔ جس سے تاریخ ۱۳۵۰ھ برآمد ہوتی ہے۔ اس کے نیچے آپ کا اسم مبارک درج ہے۔

"**حضرت اقدس عظیم البرکت سیدنا و مولانا مفتی قاری حاجی شاہ محمد حامد رضاخان**
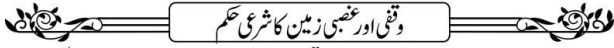
صاحب قادری، نوری، رضوی بریلوی دامت برکاتہم العالیہ زیب سجادہ عالیہ خانقاہ رضویہ بریلی"

اور پھر اس کے بعد **"اسمہ بالتاریخ"** تحریر ہے جس سے سن ۱۳۵۰ھ برآمد ہوتی ہے۔

اور اس کے بعد رسالہ کا نام

"منح القدیر الحی فی اجابة سؤل اللی ثم الحی"، تحریر ہے۔ اس سے بھی سن ۱۳۵۰ھ برآمد ہو رہی ہے۔ اس کے بعد سائل کا نام

"بجواب مسئول غلام حسین" (۱۳۵۰ھ) بھی درج کیا گیا ہے وہ بھی تاریخی ہے۔

آخر میں مطبوعہ کے بعد مطبع کا نام

"طابع رضوی بریلی"، تحریر ہے۔ اس سے بھی سن ۱۳۵۰ھ برآمد ہوتی ہے۔

یہ رسالہ ایک بہت ہی دقیق و اہم مسئلہ پر مشتمل ہے۔ جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ بریلی شریف کے محلہ معماران کی ایک زمین کے حوالے سے آپ سے استفتا کیا گیا، جس میں غلام حسین نامی شخص کے تعلق سے یہ الزام عائد کیا گیا کہ غلام حسین نے باغ و قبرستان خرید کر اس کی قبریں منہدم کر دی ہیں اور اس پر ایک دیوار تعمیر کر دی ہے۔ لہٰذا موقوفہ زمین غصب کرنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب میں آپ نے نفس سوال کے مطابق غلام حسین سے متعلق شرعی حکم بیان کر دیا۔ اور لکھ دیا:

"وقف بعد تمامی لازم ودائم ہے۔ اور اس کی بیع و رہن و عاریت وغیرہ ہر انتقال باطل و حرام۔ غلام حسین شخص مذکور اس کا ہرگز مالک نہ ہوا بائع و مشتری دونوں مستحق عذاب"

آپ کا تحریر کردہ فتوی جب غلام حسین تک پہنچا تو اس نے آپ کی بارگاہ میں ایک استفتا پیش کیا، جس میں یہ لکھا کہ آپ کا تحریر کردہ فتوی نظر سے گزرا۔ مگر مجھ تک پہنچائے گئے فتوے میں سائل کا نام لکھا ہوا نہیں ہے۔ اور لکھا کہ یہ سوال دراصل ذاتی رنجش کا نتیجہ، جھوٹا و بے بنیاد ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ میں نے کوئی زمین غصب نہیں کی۔ بلکہ یہ میری خریدی ہوئی زمین ہے۔ اس حوالے سے تمام کاغذات و دستاویز استفتا کے ساتھ منسلک کیے گئے۔

آپ نے جب زمین کے دستاویزات ملاحظہ فرمائے اور خود جا کر زمین کا معائنہ بھی فرمایا تو
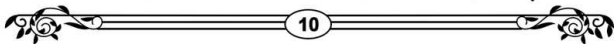
پھر اپنے پہلے فتوے سے یہ کہہ کر رجوع فرمایا کہ

”پھر اسی معاملہ کے متعلق جب دوسرا رخ سامنے آیا ہے اپنے پہلے جواب کے خلاف قلم اٹھانا پڑا۔ لیکن اس کی ذمہ داری غلط سوال پیش کرنے والے کے سَر ہے۔ فقیر کے افتا کا دامن تناقص سے پاک ہے۔ مفتی تو اس کا جواب دے گا جو صورت سوال اس کے سامنے ہو۔ اختلافِ سوال کا لازمی نتیجہ اختلاف جواب ہے۔“

اور پھر آپ نے وقف، حرمت قبور، دعوی وقف، شہادت اور قضاوغیرہ سے متعلق بہت سے دلائل وشواہد شرعیہ، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور نصوص فقہیہ سے مسئلہ کی زبردست وضاحت فرمائی۔ اور یہ ثابت کیا کہ متازعہ زمین وقف نہیں ہے نہ اسے غصب کرکے اس پر کوئی تعمیر کی گئی ہے بلکہ وہ غلام حسین وغیرہ کی ملکیت اور ان کی اپنی زمین ہے۔ پورا رسالہ بلاشبہ پڑھے جانے سے تعلق رکھتا ہے۔ رسالہ مبارکہ نایاب تھا۔ مگر فقیر اپنے عزیز محترم، مخلص، سنجیدہ فکر وطبیعت کے مالک، نوادرات سے شغف رکھنے والے، علم دوست محترم جناب ابرار حسین صاحب، لاہوری، کا بے حد ممنون وشکر گزار ہے، جنھوں نے یہ رسالہ منیرہ حضرت علامہ مفتی افضل حسین مونگیری قدس سرہ کی ذاتی لائبریری میں دیکھا اور بلا تاخیر اپنے کیمرے میں قید کرلیا۔ اور اولین فرصت میں یہ کہہ کر فقیر کو دیا کہ آپ اس پر کام کرکے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کریں۔ فقیر نے بخوشی موصوف کی اس شرط کو قبول کیا اور انہیں اطمینان دلایا کہ ان شاءاللہ اسی ماہ عرس رضوی کے موقع پر اس مبارک رسالہ کی جدید اشاعت ہوجائے گی۔

فقیر نے کتاب پر کام شروع کیا۔ کتاب میں درج عربی عبارات کی تخریج کے ساتھ ترجمہ ترجمہ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی تو فقیر نے تمام عربی عبارات کا ترجمہ بھی کردیا۔ نیز کتاب میں عربی عبارات کی نقل میں کاتب سے بہت سے مقامات پر غلطی ہوئی ہے جسے اصل کتابوں سے مراجعت کے بعد درست کردیا گیا ہے۔ الحمدللہ اس طرح یہ مبارک کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

آخر میں فقیر اپنے ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جنھوں نے اس کتاب میں کسی بھی طرح کا حصہ لیا ہے۔ خاص کر

اپنے محسن ومربی، مرشد مجازی پیر طریقت، رہبر شریعت قاطع وہابیت وصلح کلیت، شہزادہ صدرالشریعہ، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، مقدا العلماوالفقہا حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری امجدی دامت فیوضاتھم العالیہ کا، کہ آپ نے فقیر کی اس کاوش کوملاحظہ فرماکر دعائیں کلمات سے نوازا۔ اللہ پاک حضرت دامت معالیہم کا سایہ عاطفت بابرکت اہل سنت پر قائم ودائم رکھے۔

اور محترم حضرت علامہ مولانا محمد عبدالرحیم نشترفاروقی صاحب دام ظلہ ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، کا جنھوں نے کتاب پر اپنا قیمتی تاثر عطا فرمایا۔

اور نوری مشن مالیگاؤں اوراعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر مالیگاؤں کے جملہ اراکین وممبران خصوصا محب گرامی قدر، مخلص صاحب قلم، جناب محترم غلام مصطفیٰ رضوی صاحب نوری مشن مالیگاؤں، کا جنھوں نے فقیر کی درخواست پر اس مبارک رسالہ کی اشاعت اپنے ادارہ کے ذمہ لی اور کتاب کی کمپوزنگ کی خدمت سرانجام دی۔

قارئین! یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ عربی عبارات کے ترجمہ، تخریج اور کتاب کی سیٹنگ وتذہیب میں فقیر نے حد بھر کوشش کی ہے اغلاط کا صدفی صد امکان ہے اس لیے عرض ہے کہ جہاں کہیں اغلاط پائیں نشاندہی فرمائیں۔ اور یہ خیال رہے کہ رسالہ میں جو خوبی ہے وہ حضور حجۃ الاسلام کی طرف منسوب ہے اور جہاں کوئی کمی وغلطی دکھائی دے تو یقین کرلینا کہ یہ مجھ بے مایہ وکم علم کی بے مائیگی وکم علمی کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔ اس پر نگاہ عفو ودرگزر فرمائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مبارک رسالہ کو قبولیت عوام وخواص بخشے۔ اوراس میں حصہ لینے والے فقیر سمیت تمام حضرات کو حضور حجۃ الاسلام کے فیوض وبرکات سے نوازے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

یکے از خادمان خانوادہ رضویہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ

مورخہ ۸ر صفرالمظفر ۱۴۴۲ھ

استـــــــــــفتـــــــــــــاء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۵۰ھ ربیع الآخر ۱۳-۱۹۰۸ء

مسئلہ مسئولہ شیخ غلام حسین ٹھیکیدار بریلی محلہ معماران

بحضور جناب اعلیٰ حضرت قبلہ مولوی محمد حامد رضا خان صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی۔ محلہ سوداگران۔ ادام اللّٰہ اقبالھم وافضالھم۔

میری نظر سے آج ایک فتویٰ مطبوعہ بلا کسی نام کے گذرا، کہ جس کے دیکھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ فتویٰ کس نے حضور والا سے تحریر کرایا؟ اور کن کن اشخاص نے یہ سوال حضور والا کے روبرو پیش کیا ہے؟

جس کا مضمون سوال یہ ہے کہ مسمیٰ غلام حسین ٹھیکیدار نے باغ و قبرستان خرید کر اس کی قبریں مسمار کر دیں (ان کا نام تحریر فرمایا جائے) اور ان پر دیوار بنا دی ایسے شخص کے واسطے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ حضور والا نے اس سوال کے مطابق اس کا جواب دے دیا۔ یہ سوال غلط اور بے بنیاد محض رنجش سے دریافت کیا گیا ہے کہ جس سے سائل کی توہین ہو۔ صحیح واقعہ ذیل میں درج کرتا ہوں اور کاغذات ثبوت و نقش موقع بھی ہمرشتہ سوال ہٰذا بغرض ملاحظہ عالی پیش کرتا ہوں۔ مترصد کہ بعد معائنہ مسائل کو جواب احکام شریعت عطا فرمائے جائیں۔ معاملہ ہٰذا یہ ہے۔

1. سائل نے اراضی متنازعہ کو بتاریخ ۹/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو بذریعہ بیع نامہ مسماۃ غوثیہ خاتون سے بالعوض مبلغ ۱۰ روپیہ کے خرید کیا ہے۔ اور اب ایک سال سے زائد کا عرصہ ہوا کہ سائل نے اس کے احاطہ کی تعمیر کرائی ہے۔ خریداری اراضی کے وقت موقع کی جو حالت تھی وہ نقشہ منسلک سے روشن ہوگی۔

2. یہ کہ کاغذات سرکاری اور بیعنامہ میں آراضی مقروقہ تحریرہ جس کی مال گذاری سائل کے حصہ کی جو خرید کیا ہے مبلغ ۱۱ معہ سالانہ ہے اور وہ حصہ رنگ زرد جز نقشہ منسلکہ میں دکھلایا گیا ہے

اس میں قبریں ہیں جو سائل کی خریداری سے علیحدہ ہے۔ تخمیناً تیرہ قبریں خاندان بایعہ کی پختہ و خام رنگ سرخ میں جو سائل نے آراضی خریدی ہے موجود ہیں اس میں سے کسی قبر کو سائل نے نہ مسمار کیا ہے اور نہ عمارت کے اندر دبائی ہے۔ جہاں پر قبر آئی وہاں پر حصہ چھوڑ کر دیوار بنائی ہے جیسا کہ معائنہ موقع سے روشن ہوگا۔

3 یہ کہ کاغذات کے ملاحظہ سے حضور والا کو روشن ہوگا کہ سائل کی بالکل بدنیتی نہیں ہے۔ اور اس الزام سے کہ قبریں مسمار کردیں اور اندر دیوار کے دبالیں قطعی بری ہے۔ مترصد کہ بعد ملاحظہ کے سائل اس جھوٹے الزام سے جو شریعت کی رو سے دباو ڈالنے کی غرض سے لگایا گیا ہے بالکل بری ہے۔ حضور والا بھی اس الزام سے جو فتویٰ پیشتر سائل پر عائد کیا گیا ہے بری فرمائیں۔

4 یہ کہ جو اشخاص ایسے جھوٹے اور غلط بے بنیاد فتویٰ رنجش سے دباو ڈالنے کے لیے حاصل کرتے ہیں اور اس میں شریک ہوکر امداد دیتے ہیں ان کے واسطے شریعت مطاہرہ کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

غلام حسین ٹھیکیدار ۸ ۱۹۰-۳۱ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب الجواب

دارالافتاء محکمہ قضا نہیں۔ مفتی کا کام صورت سوال کے مطابق جواب دینا اور قاضی کا فرض تفتیش احوال کرکے حسب روداد مقدمہ ثبوت پر حکم کرنا ہے۔

پہلا سوال جس صورت سے پیش ہوا اس کا جواب شرعًا وہی صحیح تھا جو دیا گیا۔ اب دوبارہ جو تصویر سوال پیش ہوئی اس کا جواب سطور ذیل میں مسطور۔

پہلے سوال کے ساتھ کوئی کاغذ وغیرہ ہمرشتہ نہ تھا۔ اور استفسار ثانی کے ہمراہ چند کاغذات بھی منسلک ہیں۔ یہ کاغذات دستاویزات مصدقہ اور نقول باضابطہ ہیں، جن میں جعل و افتعال وتزویر شاذونادر اگرچہ محکمہ قضا میں محض کاغذ حجت شرعیہ نہیں، قاضی بغیر بینہ یا اقرار ونکول کچھ حکم نہیں دے سکتا مگر مفتی کے گونہ اطمینان خاطر کے لیے ایسے کاغذات بس ہیں۔ کہ وہ تو صورت سوال پر حکم کرے گا، اسے تنقیح وتنقید کی ضرورت نہیں۔

صورت مستفسرہ سے ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی طرح روشن کہ اراضی متنازعہ مسماۃ غوثیہ خاتون دختر مفتی درویش حسن مرحوم کی مملوکہ مقبوضہ موروثی جائداد مقروقہ ہے ہرگز وقف نہیں۔ اور مسماۃ مذکورہ نے شیخ غلام حسین ٹھیکیدار کے ہاتھ بیع صحیح شرعی کی جو ہرگز باطل وفاسد نہیں۔ اس اراضی کو استفسار پیشیں میں موقوفہ ظاہر کرنا کھلا مغالطہ اور صریح دھوکا تھا۔ اور رجمًا بالغیب وقف کا دعوی خصومت بے معنی۔

سوال اول سے ظاہر تھا کہ آراضی متنازعہ عام اہل اسلام کا مشہور قدیمی قبرستان ہے۔ صاف صاف تحریر تھا کہ

”اس میں اکثر برادرانِ شہر کی میتیں مدفون ہوتی رہتی ہیں“

لیکن افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے سوال اور میرے جواب میں چھاپتے وقت تبدیل و تغیر وتحریف وتصحیف سے کام لیا گیا اور بجائے اکثر برادر شہر کے اکثر اور برابر میتیں مدفون ہوتی رہتی

ہیں بتادیا۔ اس لیے کہ فقرہ اول صریح غلط تھا۔ کیوں کہ جس قدر قبور باقرار فریقین باغ مفتیان میں ہیں وہ صرف خاندانی ہیں۔ عامہ مسلمین کو کوئی حق میت دفن کرنے کا اس میں نہیں۔ اب تک بائعہ کے خاندان کے سوا اور کوئی شخص اس میں دفن نہ ہوا۔ یوں ہی غلام حسین کے بعد "ڈھکیدار" سوال و جواب دونوں میں اضافہ کر دیا تاکہ اس وصف و نام کے ساتھ جو شخص بریلی میں مشہور ہے متعیّن ہو جائے۔

حالاں کہ اگر غلام حسین کے ساتھ ولدیت و قومیت و سکونت لکھ کر بھی سوال کیا جاتا تو بھی بحمدہٖ تعالیٰ کوئی خادم شریعت ہرگز ہرگز کسی طرح رو رعایت احکام شریعت میں روا نہ رکھتا۔ اور جو حکم تھا اب بھی وہی ہوتا۔ خادمانِ ملت بیضا و حاملان شریعت غرا حکم شرع میں نہ کسی سے خوف کریں نہ طمع رکھیں۔ ان کی شان

"لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" [1]

کی مصداق خاص اور

"إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" [2]

سے انہیں پورا اختصاص۔

بحمدہٖ تعالیٰ فقیر بھی انہیں کا کفش بردار، انہیں کا زلہ ربا، انہیں کے در کا گدا، انہیں کا نام لیوا ہے۔ اور انہیں کی اسوہ حسنہ کو اپنے لیے بہترین قدوہ اور اپنی نجات کا سچا ذریعہ جانتا ہے۔

احب الصلحین ولست منهم
لعل الله يرزقني صلحا [3]

---

[1] القرآن الکریم: پارہ ۶، سورہ مائدہ، آیت ۵۴۔
کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ ترجمہ کنزالایمان

[2] القرآن الکریم: پارہ ۲۲، سورہ فاطر، آیت ۲۸۔
اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ ترجمہ کنزالایمان۔

[3] میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں حالاں کہ میں نیک نہیں ہوں شاید اللہ پاک مجھے نیک بنادے۔

سوال اول میں تحریر تھا:

"جس زمین کو کوئی شخص قبرستان قرار دے کر وقف کر دے اور وصیت کرے اور قبرستان قرار دے"

اس سے صراحتًا باغ مفتیان کا قبرستان موقوفہ ہونا ظاہر کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس وقف کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے فقیر نے جواب میں لکھ دیا:

"وقف بعد تمامی لازم ودائم ہے۔ اور اس کی بیع ورہن وعاریت وغیرہ ہر انتقال باطل وحرام۔ غلام حسین شخص مذکور اس کا ہرگز مالک نہ ہوا بائع ومشتری دونوں مستحق عذاب۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور اس وقف کو صحیح تسلیم کر لینا ہمارا محض حسن ظن ہی نہ تھا بلکہ حضرات علمائے اعلام و فقہائے کرام کی ہمیں ہدایت ہی یہی ہے کہ جس امر کا سوال میں ذکر ہوا سے موانع صحت سے پاک وصاف خیال کرتے ہوئے صحیح ومکمل جواب دینا چاہیے۔ اور بہ مقتضائے عقل بھی یہی ہے کہ مطلق کلام وتصرفات عاقل کو صحیح ومعقول سمجھا جائے، اسے صحت پر محمول کیا جائے نہ کہ پاگل کی آواز، حیوانات وبہائم کا کلام مصداق "جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ" [1] خیال کیا جائے۔

جامع الفصولین فصل اربعین میں ہے:

"مطلق کلام العاقل وتصرفه یحمل علی وجه الصحة بقضیة الأصل ... وکذا الشهادة علی هذا" [2]

وجیز امام کردری ہے:

"لو سئل عن صحته یفتي بصحته حملا علي استیفاء الشرائط اذا

---

[1] القرآن الکریم: پارہ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۴۸۔ بے جان کا دھڑ۔ ترجمہ کنزالایمان

[2] عقل مند کا کلام یا اس کا تصرف مطلقًا صحت پر محمول کیا جائے گا۔ اور یوں ہی گواہی۔
جامع الفصولین: المؤلف: محمود بن إسرائیل الشهیر بابن قاضي سماونه۔ ج ۲ ص ۱۸۴۔
الفصل الأربعون في خلل المحاضر والسجلات۔

المطلق یحمل علي الکمال الخالي عن موانع الصحة"(1)

فتاویٰ خیریہ، ص ۹۴ میں ہے:

" الاصل صحته ففي البزازیة لو سئل عن صحته یفتي بصحته حملا علي استیفاء الشرط اذالمطلق یحمل علي الکمال الخالي عن الموانع للصحة"(2)

اسی کے صفحہ ۳۵ میں ہے:

اذا رفع السؤال ببیع مال | باعه ذو المال جاز بلا مرا
مع أنه ان کان مجنونا فلا | أحد یقول بأنه صح الشرا (3)

اسی میں ہے:

"النظر الي العمل بعبارة المکلف اولي من اهدارها والحاقه بالحیوانات

(1) یعنی اگر صحت عقد کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس میں تمام شرائط مجتمع ہونے کے سبب اس کی صحت کا فتوی دیا جائے گا کیوں کہ مطلق کو ایسے کمال پر محمول کیا جاتا ہے جو موانع صحت سے خالی ہو۔ الوجیز المعروف فتاوی بزازیہ: کتاب الصلح باب السادس فی صلح الاب والوصی ومسائل التر کتہ والتخارج: مشمولہ فتاوی ہندیہ جلد ۶ ص ۵۰، ۵۱۔ اصل عبارت اس طرح ہے:

وکذا لولم یذکر في الفتوی ولکن سأل عن صحة التخارج یفتی بالصحة ویحمل علي وجود شرائطها کما ذکر في الفتوی رجل باع ماله یفتی بالصحة وان احتمل أنه غیر عاقل والاصل فیه ما ذکر الاستأذان المطلق محمول علی الکمال الخال عن العوارض المانعة من الجواز۔

(2) اصل عقد کی صحت ہے۔ بزازیہ میں ہے کہ اگر صحت عقد کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس بنیاد پر کہ اس میں تمام شرائط مجتمع تھیں اس کی صحت کا فتوی دیا جائے گا کیوں کہ مطلق کو موانع صحت سے خالی کمال پر محمول کیا جاتا ہے۔ [فتاوی خیریہ: ج ۲ ص ۱۰۳۔ کتاب الصلح]

(3) اگر ایسے مال کو بیچنے کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو مال والے نے بیچا ہے تو یہ بلا شبہہ جائز ہے۔ البتہ اگر وہ پاگل ہو تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خریداری درست ہے۔

[مرجع سابق: ص ۳۹۔ کتاب الوکالۃ]

وکلامه بجوارہ" ❶

لہٰذا حسب قضیہ عقل و ارشاد نقل باقتضاے اصل فقیر نے اسے وقف لازم تام و دائم تصور کر کے وہ احکام کہ صورت سوال پر برتنا چاہیے تھا تحریر کر دیے۔

پھر اسی معاملہ کے متعلق جب دوسرا رخ سامنے آیا ہے اپنے پہلے جواب کے خلاف قلم اٹھانا پڑا۔ لیکن اس کی ذمہ داری غلط سوال پیش کرنے والے کے سَر ہے۔ فقیر کے افتا کا دامن تناقض سے پاک ہے۔ مفتی تو اس کا جواب دے گا جو صورت سوال اس کے سامنے ہو۔ اختلافِ سوال کا لازمی نتیجہ اختلاف جواب ہے۔

علامہ خیر الملۃ والدین رملی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال ایک طور پر پھر دوبارہ بدل کر دریافت ہوا۔ فرمایا:

"لا شک فی ان المفتی انما یفتی بما الیه ینهی" ❷

پھر دوسری مرتبہ ایک ایسے ہی واقعہ میں ارشاد کیا:

"السوال الاول لم یذکر لنا فیه ان الاجارۃ وقعت علی تناول الخراج ونحوہ من الاعیان سئلنا فیه عن الاجارۃ مطلقا فانصرفت الي تمليك المنفعة وقسمنا الاحکام علی الصحیحۃ وعلي الفاسدۃ.... اما حیث کان الواقع انها علی اتلاف الاعیان.... فهی باطلة" ❸

---

❶ مکلف کی عبارت کو قابل عمل بنانا مکلف کو حیوانات اور اس کے کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کیے جانے سے زیادہ بہتر ہے۔ [مرجع سابق: ص۷۷ کتاب الدعوی]

❷ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی سوال کے مطابق فتوی دیتا ہے۔
مرجع سابق: ص۳۹۔ کتاب الوکالۃ: عبارت میں لفظ "السائل" چھوٹ گیا ہے۔

❸ پہلے سوال میں ہم سے اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اجارہ، اخراج یا اس کی مثلی اعیان کے حصول پر موقوف ہے بلکہ اجارہ مطلقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تھا تو وہ تملک منفعت کی طرف پھر گیا۔ اور ہم نے احکام کو صحیح اور فاسد دو قسموں پر تقسیم کیا۔ البتہ جب اجارہ اعیان کے اتلاف پر واقع ہوا ہے تو وہ باطل ہے۔ [مرجع سابق: ص۱۳۶۔ کتاب الاجارۃ]

اسی کے ایک تیسرے واقعہ میں ہے:

''قد یختلف الجواب باختلاف الموضوع المرفوع لاهل الفتوي فلا اعتراض علي المجیب'' ❶

اسی کے ایک چوتھے واقعہ پر ہے:

'' قد استفتي في هذه الحادثة بما هو مختلف الموضوع في السؤال فاختلف الجواب بسبب ذلك فلا یتوهم معارضة الافتاء'' ❷

ان کلمات انیقہ و ارشادات رشیقہ کا مختصر محصل یہ ہے کہ پہلے اور پچھلے سوالات میں اختلاف تھا، لہٰذا جواب مختلف ہوئے۔ کہ مفتی اسی پر فتویٰ دے گا جو اس کے سامنے پیش ہوگا۔ اس سے فتویٰ میں تعارض کا وہم معترض نافہم کا سوے فہم۔

ہاں اگر پیشتر سے صورت واقعہ کا خلاف واقع ہونا معلوم ہو جاتا تو جواب سے دست کشی کی جاتی کہ مفتی جب حقیقت واقعیہ پر مطلع ہو جائے تو اسے حکم ہے کہ سائل کو جواب نہ دے کہ اب جواب دینا سائل کو باطل پر مدد دینا ہوگا۔

عقود والدریہ میں ہے:

''اذا علم المفتی حقیقه الامر ینبغی له ان لایکتب للسائل لئلا یکون معیناله علی الباطل'' ❸

---

❶ یعنی کبھی موضوع مرفوع کے بدل جانے سے مفتیوں کا جواب بدل جاتا ہے اس میں جواب دینے والے پر کوئی اعتراض نہیں۔ [مرجع سابق: ج۱ص ۱۵۹۔ کتاب الوقف]

❷ یعنی اسی حادثہ میں ایک مختلف صورت سے متعلق فتوی پوچھا گیا تھا جس کی وجہ سے جواب مختلف ہو گیا۔ تو اس بنیاد پر افتا کے تعارض کا وہم نہ کیا جائے۔
[مرجع سابق: ص ۱۸۳۔ کتاب الوقف]

❸ یعنی مفتی کو جب اصل واقعہ معلوم ہو جائے تو اسے سزاوار نہیں کہ سائل کی منشا کے مطابق فتوٰی لکھے۔ تاکہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔
(العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ: مقدمۃ المصنف: ج۱ص ۱۰]

غلام حسین ٹھیکیدار نے اپنے سوال کے ہمراہ جو کاغذات بغرض معائنہ اور نقول باضابطہ دستاویزات رجسٹری شدہ پیش کیے ان سے صاف ظاہر ہے کہ فی الحقیقت مسماۃ غوثیہ خاتون بایعہ نے جو قطعہ زمین بدست ٹھیکیدار مذکور بیع کیا ہے وہ ایک موروثی جائداد و مقبوضہ کا جز ہے جو اسے ترکہ پدری سے ملی۔ اس کی تحصیل تشخیص و زراعت اسی سے متعلق ہے۔ مزارعان اس کو لگان دیتے، اسی سے زمین لیتے ہیں۔ اور وہی مال گذاری بحیثیت زمین دار ادا کرتی ہے۔ اسی کو سب مالک جانتے ہیں۔ بلا مزاحمت دیگرے آج تک وہی قابض و دخیل ہے۔ یہ باغ اسے اپنے باپ مفتی نورالحسن عرف درویش حسن مرحوم سے ترکہ میں پہنچا۔ اور اس کے باپ کو مفتی احمد حسن مرحوم اس کے باپ کے متروکہ سے اور مفتی خواجہ حسن مرحوم برادر حقیقی سے بذریعہ بیع اس کا حصہ پہنچا۔

پھر ۲۱/ فروری ۱۸۸۹ء کو بحکم روبکار داخل خارج بجاے نام مولوی درویش حسن مرحوم نام غوثیہ خاتون درج ہوا۔ اور کوئی شخص اس وقت دعوے دار و عذردار نہ ہوا۔ نیز خواجہ حسن مرحوم نے جب اپنا حصہ فروخت کیا اور درویش حسن مشتری کا قبضہ داخل خارج ہوا، اس وقت بھی مدعیان وقف یا ان کے بزرگوں میں سے کوئی عذردار نہ ہوا۔ خواجہ حسن بعد فروخت اپنے حصے کے پھر بھی اپنا اور دیگر ۱۴/ اشخاص کا حصہ آراضی متنازعہ میں بیان کرتے رہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی شہادت بمقدمہ دعوے داری منصور حسن میں بیان کیا۔ اور اسی قسم کا دوسرے گواہ نے بھی بیان کیا۔ منصور حسن نے بھی دعویٰ ملکیت بحیثیت شریک و حصہ دار کیا۔ کھیوٹ میں صرف غوثیہ خاتون کا نام درج ہونا مانا اور کہا کہ مدعی شریک و حصہ دار ہے، لہٰذا اس کا نام بھی بشمول نام غوثیہ خاتون درج کاغذات کیا جائے۔ مسماۃ کامیاب ہوئی اور درخواست خارج ہوئی۔ فیصلہ میں دو چار قبریں بنی ہونے کی بنا پر استحقاق و قبضہ لغو بتایا۔ دیوانی کی ہدایت کی پھر بھی کسی نے کچھ نہ کیا۔ جائز چارہ جوئی کر کے باپ دادا کی قبروں کو پامالی سے نہ بچایا۔ وقف کا دعویٰ دیوانی میں رجوع نہ کیا۔ افسوس خود کردہ را علاجے نیست!

افسوس اس معزز خاندان میں کوئی ایک فرد بھی گویا ایسا نہ تھا جسے خدا کا خوف ہوتا اور

وقف کی حمایت کرتا، کچہری میں وقف نامہ پیش کرتا۔ کچھ اراضی اس میں سے گورنمنٹ نے لے لی۔ ایک حصہ حکیم مولوی سید عزیز غوث صاحب سلمہ کے مورث اعلیٰ کو ہبہ کیا گیا جو تا ایں دم ان کے قبض و تصرف میں ہے، جس میں صرف ان کے خاندان کی میتیں دفن ہوتی ہیں۔ خود مدعی وقف مفتی صادق حسین نے جب مسماۃ کی جائداد کا ٹھیکہ لکھایا اس میں بھی اراضی متنازعہ بعوض مبلغ ۱۰ روپے مکفول کی۔ پھر مسماۃ نے ایک رہنامہ مصدقہ رجسٹری کسی کے نام لکھا۔ پھر بیع نامہ ہٰذا بنام شیخ غلام حسین ٹھیکیدار ہوا جس پر صدائے وقف اٹھی۔ غرض ۱۸۸۵ء بلکہ اس سے پیشتر زائد از بارہ سال یہ تصرفات مالکانہ جاری رہے لیکن مدعیان وقف سوتے رہے۔ اور ان کے بزرگوں نے بھی اس وقف کو دست برد سے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کی۔ کسی کو وقف کا قصہ یاد نہ آیا، کسی کے کان پر جوں نہ رینگی، کسی کے منہ میں زبان نہ تھی کہ یہ زمین موقوفہ ہے۔ ملک الٰہی ہے، قبرستان وقفی ہے۔ خدارا کیسا بدنما دھبہ ان مرحومین کے دامن تدین پر ہے۔ اگر یہ باغ قبرستان کے لیے وقف تھا تو کیا مدعیان کے اسلاف خاندان خصوصًا علما و صلحا اس میں یہ تصرفات مالکان روا رکھتے؟ بیع و ہبہ و نقالت رہن و زراعت پر چپ بیٹھے رہتے۔ قبرستان میں ہل چلتے رہتے اور وہ سکوت کرتے۔ حاشا ثم حاشا۔

دعویٰ وقف پر تبصرہ:

استفسار ثانی کی خبر پاکر بعض افراد خاندان مدعی وقف بن کر آئے اور فقیر نے ان سے چاہا کہ وقف کے متعلق اطمینان حاصل کر لے۔ بار بار تقاضوں کے بعد سرسری طور پر ایک کاغذ دکھایا گیا۔ یہ کاغذ جسے ثبوت خیال کیا جاتا ہے عند القاضی بوجوہ ناقابل استدلال و بے اعتبار ہے۔ ہم دعویٰ وقف پر تبصرہ کرتے ہوئے ان وجوہ کو تحریر کرتے ہیں، و باللّٰہ التوفیق۔

اولاً خاندان مفتی صاحبان کے مورث اعلیٰ، حضرت مولانا مفتی شاہ ابوالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرید خاص و خلیفہ باختصاص سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب مارہروی قدس سرہ تھے اور ان کی دعائے مستجاب سے مفتی صاحب موصوف کو دولت دنیا و آخرت ثروت و عزت ملی۔ اور انہیں کی دعا سے تین صاحبزادے ہوئے۔ مولانا مفتی احمد حسن، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا مفتی

حامد حسن۔

مفتی حامد حسن مرحوم لاولد فوت ہوئے۔ مفتی محمد حسن مرحوم کے بیٹے مفتی عزیزالحسن خلیفہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول صاحب احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے یاان کے بھائیوں نے اسے وقف نہ جانا۔ اگر وقف جانتے توضرور تحفظ کے لیے صدائے احتجاج بلند کرتے کہ ان کی حیات میں تصرفات مالکانہ ہوتے رہے۔ کیاانہیں مدعی صاحبان کوخیال ہوا؟

انہیں نہ ہوتا؟ مفتی عزیزالحسن صاحب موصوف کے فرزند مفتی ابوالحسن برکاتی نوری دعوی وقف کوغلط کہتے ہیں۔ مفتی احمد حسن صاحب کے چار صاحبزادے تھے۔ مفتی درویش حسن خود مالک رہے۔ اور ان کی لڑکی غوثیہ خاتون بایعہ اب مالکہ متصرفہ موجود ہے۔ دوسرے صاحبزادے مفتی خواجہ حسن، جنہوں نے اپنا حصہ بدست مفتی درویش حسن فروخت کیا۔ تیسرے مفتی ظہور حسن، ان کی اولاد میں منصور حسن وغیرہ تھے، جنہوں نے درخواست دی کہ خانہ ملکیت میں داخل کیا جائے۔ چوتھے مفتی سلطان حسن صاحب تھے، جن کے ایک صاحبزادے مولوی عمادالحسن تھے، انہوں نے بھی سکوت فرمایا۔ اور ان کے بیٹے مفتی طیب حسن، مفتی صادق حسن کے برادر حقیقی بیع نامہ کے گواہ ہیں۔ اس خاندان کے ایک فرد شاکر حسن نے دعوی مسماری قبور کیا، پھر واپس لیا۔ مفتی صادق حسن کہ مدعی وقف ہیں، اُنہوں نے اسی جائداد کو اپنی دستاویز ٹھیکہ میں زر پیشگی میں مکفول کیا۔ اگر یہ قبرستان موقوفہ ہوتا تو اس خاندان کے یہ سب بڑے چھوٹے اصحاب کیاایسا ہی طرزِ عمل رکھتے؟ ابوالقبیلہ کے بعد نسلاً بعد نسل وجیلاً بعد جیلاً آبائے فصیلہ و عمارہ وابنائے بطون وافخاذ کے یہ تصرفات ودعاوی مالکانہ صاف صاف بتارہے ہیں کہ قطعہ مبیعہ ہرگز ہرگز وقف نہیں۔

ثانیاً مفتی سلطان حسن صاحب اور ان کے بھائیوں نے اپنے چچا صاحبان سے جائداد کو تقسیم کیااور (یہی کاغذ کہ استدلال وقف میں بطور وقف نام پیش کیا گیا ہے) اس تقسیم نامہ میں اس اراضی کو بھی رکھا اور صاف لکھ دیا کہ ثلث حصہ اراضی مذکور کا والد صاحب کی جانب عود کرے گا۔ اگر یہ قطعہ باغ مفتیان بقرارداد قبرستان وقف کردیا گیا ہوتا تو اس کی واپسی کے کوئی معنی نہ تھے کہ شرعًا بعد وقف وہ ملک ہی نہ رہا۔ نیز شرط رجوع مبطل وقف ہے۔ کما سیاتی۔ وقف کی واپسی

شرعًا ممنوع و ناجائز ہے اور یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے اور صاحبین کے اسی قول پر فتویٰ۔ فتح القدیر میں ہے:

''ولا رجوع فیها) أي في السقاية والمقبرة وفي الدار المسبلة عندهما للخروج عن ملكه بذلك القدر، وهو قول الأئمة الثلاثة بلا شرط الدفع إلى المتولى كقول أبي يوسف. وعند أبي حنيفة له أن يرجع ما لم يحكم بذلك حاكم'' ❶

پھر اسی میں ہے:

''والفتوي في ذلك كله علي خلاف قول ابي حنيفة رضي الله عنه للتعامل المتوارث'' ❷

اقول: اس قول کی ارجحیت کی یہ بھی وجہ وجیہ ہے کہ یہ قول قاضی الشرق والغرب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور وقف وقضا میں انہیں کا قول مرجح۔ منتقی و شامی میں ہے:

''قدم في التنوير والدر والوقاية وغيرها قول ابي يوسف'' ❸

یعنی تنویر الابصار و در مختار، وقایہ و غیرہا متون میں قول امام ابی یوسف کو مقدم رکھا اور ان

---

❶ یعنی امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سقایہ، مقبرہ اور وقفی گھر کے لیے زمین صدقہ کردینے کے بعد اتنی مقدار اس کی ملکیت سے نکلنے کے سبب رجوع کا حق حاصل نہیں۔ اور یہی قول تینوں اماموں کا ہے۔ متولی کو لوٹانے کی شرط کے بغیر۔ جیسے امام ابویوسف کا قول۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو رجوع کا حق حاصل ہے جب تک کہ حاکم اس تعلق سے کوئی حکم نہ کرے۔

[فتح القدیر للکمال ابن الھمام: ج۶ ص۲۳۹۔ کتاب الوقف]

❷ یعنی فتوی اس تمام معاملہ میں تعامل منقول کی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برخلاف ہے۔ [مرجع سابق]

❸ الدر المنتقی فی شرح الملتقی، مشمولہ مجمع الانھر ج۲ ص۵۹۵، کتاب الوقف۔

فتاوی شامی: ج۴ ص۳۵۷، کتاب الوقف]

ان کی تقدیم مشعر ترجیح۔ لاجرم خیریہ میں فرمایا:

''وقد علمت ارجحيته في الوقف والقضاء'' ❶

(۳) ثالثاً بالفرض وقف کیا بھی ہو تو جب اس میں قید لگادی گئی کہ ثلث حصہ آراضی مذکور بحصہ مفتی احمد حسن صاحب عود کر آئے گا یعنی بعد خشک ہوجانے اشجار کے تو وقف بالاتفاق باطل ہوگیا کہ وقف کے لیے تابید و ہمیشگی شرط ہے۔ بغیر اس کے وقف تمام ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر اس جملے سے کہ ''بقرارداد قبرستان باغ نصب کیا گیا'' وقف پر استدلال کیا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ وقف صرف درختوں کی سرسبزی تک موقت ہے پھر واپسی تو ہر گز موبد نہیں اور موبد نہیں تو وقف صحیح نہیں۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

''(ولا يتم) الوقف (حتى يقبض)... (ويفرز... (ويجعل آخره لجهة قربة (لا تنقطع).... (وإذا وقته) بشهر أو سنة (بطل) اتفاقا'' ❷

درر سے ہے:

''والصحيح أن التأبيد شرط اتفاقا'' ❸

نیز اسی میں اسعاف سے نقل کرکے:

''وأما التأبيد معنى فشرط اتفاقا على الصحيح وقد نص عليه محققو المشايخ'' ❹

---

❶ یعنی تم وقف اور قضا کے معاملات میں امام ابویوسف کے قول کا راجح ہونا جان چکے ہو۔
[فتاوی خیریہ کتاب الوقف]

❷ یعنی وقف قبضہ ہونے تک پورا نہیں ہوتا۔ اور جدا ہونے تک۔ اور وقف کی انتہا مقرر کی جائے اس قربت کے لیے جو ختم نہ ہو۔ اور جب اس کا وقت ایک ماہ یا ایک سال مقرر کیا گیا تو وقف بالاتفاق باطل ہے۔
[الدر المختار شرح تنویر الابصار: ج ۴ ص ۳۴۸ تا ۳۵۱۔ کتاب الوقف]

❸ یعنی صحیح یہ ہے کہ وقف میں ہمیشگی شرط ہے بالاتفاق۔ [مرجع سابق: ص ۳۴۹]

❹ یعنی تابید معنوی مذہب صحیح پر بالاتفاق شرط ہے مشائخ محققین نے اسی کی صراحت فرمائی۔

فرمایا۔

''قلت: و مقتضاه أن المقيد باطل اتفاقا'' ❶

نیز اسی میں ہے:

''إذا شرط رجوعه إليه بعد مضي الوقت، فقد أبطل التأبيد فيبطل الوقف'' ❷

رابعًا۔ وقف ناقابل انقسام ہے۔ اور اس کی باہم تقسیم موقوف علیہم پر ناجائز۔ تنویر و در میں فرمایا:

''فإذا تم و لزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن ولا يقسم إلا عندهما إذا كانت بين الواقف و) شريكه (المالك لا الموقوف عليهم'' ❸

اگر یہ وقف تھا تو تقسیم میں آنے کے کیا معنی؟ تو معلوم ہوا کہ مفتی ابوالحسن صاحب یا ان کے تینوں صاحبزادوں میں سے کسی نے اسے وقف نہ کیا۔ کیوں کہ مقاسمہ مولوی سلطان حسن صاحب نے اپنے چچا صاحبان سے کیا ہے، تو مفتی محمد حسن و مفتی حامد حسن صاحبان نے بھی وقف نہ کیا اور بفرض غلط کیا تو صحیح نہ ہوا۔

خامساً: صرف مولوی احمد حسن صاحب نے وقف کیا تھا تو وجوہ بالا کے ساتھ ایک وجہ یہ بھی مانع وقف ہوگی کہ یہ وقف مشاع ہوگا اور مسجد کی طرح مقبرہ کے لیے خلوص و انقطاع جمیع حقوق عباد

---

❶ یعنی میں نے کہا کہ ان کا منشا یہ ہے کہ وقف مقید باطل ہے بالاتفاق۔
[مرجع سابق: ص۳۴۹]

❷ یعنی جب وقت گزر جانے کے بعد واقف کی طرف شی موقوفہ لوٹانے کی شرط لگائی گئی تو ہمیشگی باطل ہوگئی اور جب ہمیشگی باطل ہوئی تو وقف باطل ہوگیا۔ [مرجع سابق: ص۳۵۱]

❸ یعنی جب وقف تام اور لازم ہوجائے تو اس وقف کا نہ کسی کو مالک بنایا جاسکتا ہے نہ کوئی اس کا مالک ہوسکتا ہے۔ نہ اسے ادھار دیا جاسکتا ہے اور نہ رہن رکھا جاسکتا ہے۔ اور نہ تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مگر صاحبین کے نزدیک۔ جب کہ وہ واقف اور اس کے شریک مالک (وہ نہیں جن پر وقف کیا گیا ہو) پر وقف کیا گیا ہو۔ [تنویر الابصار مع الدر المختار: ج۴ ص۳۵۱ تا ۳۵۵]

سے شرط وقف ہے، وہ یہاں مفقود۔ کہ مشاع میں حق غیر موجود صرف ایک ثلث مولوی احمد حسن صاحب کا تھا باقی دونوں بھائیوں کا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ وقف مشاع جائز ہے اور انہیں کا قول وقف میں مرجح مانا گیا ہے مگر مسجد و مقبرہ ان کے نزدیک بھی مستثنیٰ ہے۔ مسجد اور مقبرہ کا وقف بالاتفاق مشاعًا صحیح نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

''قال وقف المشاع جائز عند أبي يوسف..... إلا في المسجد والمقبرة، فإنه لا يتم مع الشيوع فيما لا يحتمل القسمة أيضا عند أبي يوسف، لأن بقاء الشركة يمنع الخلوص لله تعالى، ولأن المهايأة فيهما في غاية القبح بأن يقبر فيه الموتى سنة، ويزرع سنة ويصلى فيه في وقت ويتخذ إصطبلا في وقت، بخلاف الوقف لإمكان الاستعمال وقسمة الغلة'' [1]

فتح القدیر میں ہے:

''الحاصل أن المشاع إما أن يحتمل القسمة أو لا يحتملها، ففيما يحتملها أجاز أبو يوسف وقفه إلا المسجد والمقبرة والخان والسقاية، ومنعه محمد رحمه الله مطلقا، وفيما لا يحتملها اتفقوا على إجازة وقفه إلا المسجد والمقبرة، فصار الاتفاق على عدم جعل المشاع مسجدا أو مقبرة مطلقا أي سواء كان مما يحتمل القسمة أو لا يحتملها'' [2]

---

[1] یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک شی مشترک کی بیع جائز ہے...... مگر مسجد اور مقبرہ میں کہ وہ اس اشتراک کے ساتھ پورا نہیں ہوتا جس میں بٹوارے کا احتمال نہ ہو امام ابو یوسف کے نزدیک۔ اس لیے کہ شرکت کا باقی رہنا خلوص لوجہ اللہ سے مانع ہے۔ اور اس لیے کہ مسجد و مقبرہ میں باری باری سے نفع کا معاہدہ کہ ایک سال اس میں میتیں دفن کی جائیں اور ایک سال کھیتی کی جائے۔ کسی وقت اس میں نماز پڑھی جائے تو کسی وقت اسے اصطبل بنا دیا جائے، نہایت ہی برا ہے۔ برخلاف وقف کے، استعمال اور آمدنی کی تقسیم کے امکان کی وجہ سے۔

[الهداية في شرح بداية المبتدي: ج۳ ص۱۶۔ کتاب الوقف]

[2] یعنی حاصل یہ کہ شی مشترک میں یا تو تقسیم کا احتمال ہو گا یا نہیں ہو گا، جس میں تقسیم کا احتمال ہو اس کا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ سوائے مسجد، مقبرہ، سرائے اور سبیل کے۔ اور

اسی میں ہے:

''وإنما اتفقوا على منع وقف المشاع مطلقا مسجدا ومقبرة؛ لأن الشيوع يمنع خلوص الحق لله تعالى ولأن جواز وقف المشاع فيما لا يحتمل القسمة؛ لأنه يحتاج فيه إلى التهايؤ، والتهايؤ فيه يؤدي إلى أمر مستقبح، وهو أن يكون المكان مسجدا سنة وإصطبلا للدواب سنة ومقبرة عاما ومزرعة عاما'' [1]

سادسا۔ بوقت وقف مالک موقوف ہونا شرط وقف ہے۔ کہ ہمارے مذہب مہذب میں باتفاق اہل وقوف اسی پر صحت وقف موقوف۔ لہٰذا یہ ثابت کرنا ہوگا کہ درویش حسن اس کے مالک نہ تھے، غاصب تھے۔ ان کا قبضہ حرام تھا۔ مفتی سلطان حسن تنہا مالک مستقل تھے۔ اس لیے کہ ولایت علی المحل شرط جواز ہے۔ اور ولایت مستفاد بالملک، تو جواز وقف بھی موقوف علی الملک۔ بحر الرائق و عالمگیری وغیرہم میں ہے:

''وأما شرائطه... ومنها الملك وقت الوقف.... ويتفرع على اشتراط الملك أنه لا يجوز وقف الإقطاعات إلا إذا كان الأرض مواتا فأقطعها الإمام رجلا أو كانت ملكا للإمام فأقطعها رجلا وأنه لا يجوز وقف أرض الحوز

گزشتہ سے پیوستہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً منع کیا ہے۔ اور جس شی مشترک میں احتمال تقسیم نہ ہو مسجد اور قبرستان کو چھوڑ کر، اس کو وقف کرنے کے جواز پر سب متفق ہیں۔ اور شی مشترک کو مسجد یا مقبرہ نہ بنانے پر بھی سب کا اتفاق ہے خواہ اس میں بٹوارے کا احتمال ہو یا نہ ہو۔
[فتح القدیر: ج۶ ص۲۱۱۔ کتاب الوقف]

[1] یعنی شی مشترک کو مسجد اور قبرستان کے لیے وقف کرنے کی مطلقاً ممانعت پر فقہا نے اتفاق کیا ہے۔ کیوں کہ اشتراک لوجہ اللہ خلوص سے روکتا ہے۔ اور اسی لیے اس شی مشترک کا وقف جائز ہے جس میں تقسیم کا احتمال نہ ہو۔ کیوں کہ اس میں باری کی ضرورت پڑتی ہے اور باری، اس وقف میں، کہ مکان ایک سال مسجد، ایک سال جانوروں کا اصطبل، ایک سال قبرستان اور ایک سال کھیت ہو جائے برا کام ہے۔
[مرجع سابق: ص ۲۱۲]

للإمام اھ ملتقطا ''[1]

اسعاف میں ہے:

''اتفق أبو یوسف ومحمد رحمھما اللہ علی أن الوقف یتوقف جوازہ علی شروط بعضھا فی المتصرف کالملك فإن الولایة علی المحل شرط الجواز والولایة یستفاد بالملك أو ھي نفس الملك''[2]

تواب ثبوت وقف کے ساتھ ثبوت ملک کا بار بھی ذمہ مدعیان ہوگا۔ کمافی فتاوی قاری الہدایہ۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ دعویٰ میں تمادی عارض ہے۔ کما سیجئی۔

سابعًا: بعض مدعیان وقف نے وہ کاغذ پڑھ کر سنایا جو بطور مرسوم یعنی جس طرح دستاویز کا طریقہ معروف ہے لکھا ہوا بھی نہ تھا جسے ایک باہمی سمجھوتہ کا مسودہ کہنا چاہیے، نہ ابتدا میں مثلاً ہم کہ فلاں وفلاں۔ نہ آخر میں کوئی تاریخ۔ نہ سفران کے اپنے ہاتھ کے دستخط۔ ایک ہی قلم سے از اول تا آخر مع اسمائے بعض ارکان خاندان نقل تھی۔ جس کی اصل کا پتہ نہیں کس کا لکھا ہوا، کب کا لکھا ہوا، کچھ معلوم نہیں۔ عقود الدریہ میں ہے:

''في الزیلعي والملتقی آخر الکتاب في مسائل شتی قالوا الکتاب علی ثلاث مراتب مستبین مرسوم وھو أن یکون معنونا أي مصدرا بالعنوان وھو أن

---

[1] یعنی وقف کی شرطوں میں ایک شرط وقف کے وقت شی موقوفہ کا مالک ہونا بھی ہے۔ اور اسی سے یہ مسئلہ بھی متفرع ہے کہ جاگیرات کا وقف جائز نہیں ہے مگر جب کہ زمین مردہ ہو اور امام نے کسی شخص کو دے دی ہو یا امام اس کا مالک ہو اور کسی کو وہ زمین دے دی ہو۔ اور یہ کہ امام کی گھیری ہوئی زمین کا وقف بھی جائز نہیں ہے۔ [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: کتاب الوقف۔ ج۵ص ۲۰۳۔ فتاوی عالمگیری: کتاب الوقف۔ ج۲ص ۲۵۴]

[2] یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا اس پر اتفاق ہے کہ وقف کا جواز چند شرطوں پر موقوف ہے اس کی ایک شرط متصرف کے بارے میں جیسے مالک ہونا۔ کیوں کہ جگہ کی ولایت جواز کی شرط ہے۔ اور ولایت ملکیت سے مستفاد ہے یا خود ملک ہے۔
[الإسعاف فی أحکام الأوقاف لطرابلسی: ج۱ص ۱۵۔ کتاب الوقف]

يكتب في صدره من فلان إلى فلان على ما جرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدران وأوراق الأشجار أو على الكاغد لا على الوجه المعتاد فلا يكون حجة إلا بانضمام شيء آخر إليه كالنية والإشهاد عليه والإملاء على الغير حتى يكتبه؛ لأن الكتابة قد تكون للتجربة ونحوها وبهذه الأشياء تتعين الجهة. وقيل الإملاء بلا إشهاد لا يكون حجة والأول أظهر وغير مستبين كالكتابة على الهواء أو الماء وهو بمنزلة كلام غير مسموع ولا يثبت به شيء من الأحكام وإن نوى اهـ ومثله في الهداية وفتاوى قاضي خان ''❶

یوں تو ہر شخص کچھ لکھا وکھا دے، خود لکھ لائے اور کہہ دے کہ یہ فلاں کا وقف نامہ ہے۔ اور جائداد موقوفہ ہے تو اموال ناس خطرے میں پڑ جائیں۔ اور اغراض فاسدہ و حیل کاسدہ سے مفسدین املاک عباد مومنین سے امان اٹھا دیں۔ یہ تحریر وقف کے ثبوت میں سرسری طور پر دکھائی گئی اور اس فقرہ پر کہ ''بقرارداد قبرستان باغ نصب کیا گیا'' زور دیا گیا۔ شرعی نقطہ نظر سے علاوہ ان وجوہ کے کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں شرعاً کاغذ قاضی کے سامنے ہرگز ہرگز ثبوت وقف کے لیے

❶ زیلعی اور ملتقی کے آخر میں مسائل شتی کے ضمن میں ہے کہ فقہانے فرمایا کہ تحریر کے تین مرتبے ہیں، ایک واضح خط وہ یہ کہ معنون ہو کہ اس کے شروع میں یہ عنوان ہو کہ فلاں سے فلاں کی طرف، جیسا کہ خطوں میں یہ طریقہ رائج ہے، یہ خط بالکل زبانی گفتگو کی طرح حجت ہے۔
دوسری واضح غیر معنون جیسا کہ کسی دیوار پر، درخت کے پتوں یا عام کاغذ پر غیر مروجہ طریقہ پر لکھی گئی ہو یہ کسی دوسری چیز کی مدد کے بغیر مثلاً نیت یا گواہی یا دوسرے کو املا کیے بغیر حجت نہ بنے گی، کیوں کہ ایسی تحریر کبھی تجربہ کے لیے ہوتی ہے۔ لہذا قرائن مذکورہ سے اس کا مطلب متعیّن ہو سکے گا۔ اور کہا گیا ہے کہ املا بغیر گواہی حجت نہیں ہوگا۔ البتہ قول درست اور اظہر ہے۔
تیسری وہ کہ واضح نہ ہو جیسا کہ ہوا اور پانی پر تحریر ہو تو یہ غیر مسموع کلام کی منزل میں ہے۔ اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہو سکے گا اگرچہ نیت بھی کی ہو۔ اھ، ہدایہ اور فتاوی قاضی خان میں بھی یہی ہے۔ [العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية: ج۱ ص۱۹۔ کتاب الدعوی]

مفید نہیں۔ حجج شرعیہ صرف بینہ اقرار و نکول اور محض تحریر نا معتبر و نا مقبول کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر مہر کے۔ اور تحریر میں افتعال و جعل و تزویر ممکن۔ عالمگیری میں ہے:

"الکتاب قد یفتعل ویزور والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم" ❶

یہ تحریر تو یہ تحریر امنائے شریعت و زعمائے حنفیت تصریحات جلیلہ و تشریحات واضحہ فرماتے ہیں: کہ وہ مکتوب وقف و دستاویز وقف نامہ جس پر سنین ماضیہ کے قضاۃ کی تحریرات ہوں دستخط و مواہیر ثبت ہوں وہ بھی ہرگز حجت شرعیہ نہیں۔ قاضی اسے ثبوت جان کر ڈگری نہیں دے سکتا۔ فتاویٰ خیریہ، صفحہ ۱۷، جلد ۲:

"والخط لا یعتمد علیه ولا یعمل به ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لا یقضی الا بالحجة وھي البینة أو الاقرار أو النکول کما فی اقرار الخانیة" ❷

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں و اشباہ والنظائر و عقود الدریہ و خیریہ وغیرہا کتب فقہیہ میں ہے:

"اللفظ للرملی أما الثبوت بمجرد اظھار الحجة بلا بینة شرعیة فلا قائل به من ائمة الحنفیة المعتمد علی قولھم لان الخط رسم مجرد خارج عن حجج الشرع الثلث التی ھي البینة والاقرار والنکول وھذا لا توقف فیه لا حد" ❸

---

❶ یعنی تحریر کبھی جعلی اور جھوٹی ہوتی ہے۔ یوں ہی تحریر تحریر کے اور مہر مہر کے مشابہ ہوتی ہے۔
[فتاوی عالگیری: ج ۳ ص ۳۸۱۔ باب کتاب القاضی الی القاضی]

❷ یعنی خط پر نہ اعتماد کیا جائے گا نہ عمل۔ اور وہ وقف جس سے متعلق گزشتہ دور کے قاضیوں کی تحریریں ہیں وہ بھی لائق عمل نہیں۔ کیوں کہ قاضی بغیر حجت فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور حجت گواہ یا اقرار یا قسم سے انکار ہے۔ جیسا کہ خانیہ میں اقرار کے بیان میں ہے۔
[فتاوی خیریہ: ج ۲ ص ۱۹۔ باب خلل المحاضر والسجلات]

❸ یعنی شیخ رملی کے الفاظ یہ ہیں کہ محض خط کو بطور ثبوت، بغیر شرعی گواہی کے حجت ظاہر کرنے کے سلسلے میں ائمہ احناف میں سے جن کے قول پر اعتماد ہے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کیوں کہ

نیز فتاویٰ خیریہ میں ہے:

''سئل فی رجل مات مدیونا الغرماء متعددین وقد کان رھن بدین أحدھم مشاعا لدی نائب قاض شافعي واظھر المرتھن محضرا کتب لدیه و فیه الحکم بصحته ولزومه ھل اذا رفع لقاضي حنفي بمجرده ویختص المرتھن به في وفاء دینه أم لا؟

أجاب المقر عند علماء الحنفیة انه لااعتبار بمجرد الخط ولاالتفات الیه اذحجج الشرع ثلاثة وھی البینة أوالاقرار أوالنکول کماصرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الااذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی أعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیھا'' (1)

گزشتہ سے پیوستہ: خط محض ایسی تحریر ہے جو تین شرعی دلائل، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار، سے خارج ہے۔اور سلسلے میں کسی کو کوئی توقف نہیں ہے۔

[الاشباہ والنظائر لابن نجیم: ج ا ص ۱۸۳۔ کتاب القضاء والشھادات والدعاوی۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: ج ا ص ۱۱۸ باب وقف المریض۔ فتاوی خیریہ: ج ا ص ۲۰۳، کتاب الوقف۔ ص ۲۲۸ کتاب البیوع۔ ج ۲ ص ۱۲ کتاب ادب القاضی۔ ص ۱۹ باب خلل المحاضر والسجلات]

(1) یعنی ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو مقروض مرا۔ اور اس کے کئی قرض خواہ تھے۔ ان میں سے ایک کا قرض مشترک رہن کے بدلے میں تھا تو اس مرتہن نے شافعی نائب قاضی کو دستاویز دکھائے جس میں رہن کی صحت اور اس کے لازم ہونے کا حکم تھا۔ تو کیا حنفی قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس رہن کو قرض کے بدلے میں مرتہن کے لیے خاص کرے، یا نہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ علمائے احناف کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ محض خط اعتبار والتفات کے لائق نہیں۔ کیوں کہ شرعی حجت تین چیزیں ہیں۔ گواہی، اقرار اور قسم سے انکار جیسا کہ خانیہ میں اقرار کی بحث میں اس کی تصریح ہے۔ لہٰذا فقط مذکورہ دستاویز کا کوئی اعتبار نہیں۔ جب تک مذکورہ شرعی تینوں دلائل میں سے کسی ایک کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔ [ج ۲ ص ۱۲۔ کتاب ادب القاضی]

خانیہ میں ہے:

''القاضی انما یقضی بالحجة والحجة هي البینة أوالاقرار وأما الصك فلا یصلح حجة'' ❶

خانیہ واسعاف میں ہے:

''ادعي على رجل في یده ضیعة أنها وقف وأحضر صکا فیه خطوط العدول والقضاة الماضین وطلب من القاضي القضاة بذلك الصك قالوا لیس للقاضي أن یقضي بذلك الصك لأن القاضي إنما یقضي بالحجة والحجة إنما هي البینة أو الإقرار أما الصك فلا یصلح حجة لان الخط یشبه الخط وكذا لو كان على باب الدار لوح مضروب ینطق بالوقف لا یجوز للقاضي أن یقضي مالم تشهد الشهود'' ❷

ان عبارات سے بخوبی روشن کہ کوئی بے سروپا کاغذ توکیا وہ دستاویزات جن پر شاہدانِ عدل و قاضیانِ اسلام کی تحریرات ان کی تصدیقات مہر و دستخط کے ساتھ ہوں وہ بھی ناقابل اعتبار۔ انہیں پیش کرکے اگر مدعی وقف ڈگری لینا چاہے تو قاضی کوڈگری دینے کا اختیار نہیں، کہ وجوہ شرعیہ بینہ و اقرار ہے۔ اور دستاویز حجت کے لائق نہیں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے۔ یوں ہی دروازے پر الوقف

---

❶ یعنی قاضی دلیل کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا اور دلیل گواہی یا اقرار ہے اور اشٹام صالح حجت نہیں۔ [فتاوی قاضی خاں: ج۴ ص۲۸۶۔ فصل فی دعوی الوقوف والشهادة علیہ]

❷ یعنی کسی شخص نے ایسے شخص پر دعوی کیا کہ اس کے پاس جو زمین ہے وہ وقف ہے اور اس پر اس نے عہد گزشتہ کے قاضیوں کا دستخط شدہ اشٹام پیش کیا اور قاضیوں سے اس اشٹام کے مطابق فیصلے کا مطالبہ کیا توفقہا نے فرمایا کہ قاضی کو اس اشٹام کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ قاضی دلیل کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے اور دلیل گواہی یا اقرار ہے ۔ رہا اشٹام تو وہ صالح حجت نہیں۔ کیوں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے۔ یوں ہی اگر گھر کے دروازے پر وقف کی تختی لگی ہو تب بھی قاضی کے لیے اس گھر کے موقوفہ ہونے کا فیصلہ کرنا گواہی کے بغیر جائز نہیں ہے۔ [مرجع سابق: ص۲۸۵، ۲۸۶۔ الإسعاف فی أحکام الأوقاف لطرابلسی: ج۱ ص۹۱۔ فصل في غصب الوقف والدعوی بہ]

للہ الکریم کا کتبہ لگا ہو تو بھی جب تک شہادت عادل نہ گذرے حکم وقف دینا ناجائز ہے۔ جب مجرد دستاویز حجت شرعیہ نہیں اور محض تحریر دیکھ کر قاضی کو فیصلہ دینا ناجائز۔ صاف صاف تصریح کہ کسی مقام پر اگر صراحۃً وقف کا کتبہ پتھر پر کندہ کر کے لگا دیا گیا ہو تو بھی ثبوت وقف کے لیے کافی نہیں تو پھر صرف قبریں دیکھ کر اس پر حکم وقف لگا دینا کیوں کر کافی ہو سکتا ہے۔

ہم اوپر کہہ آئے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ایک قرینہ ہے لیکن اثبات مدعا کے لیے کافی نہیں تو جب ایسی مستند تحریرات قابل اعتماد نہیں تو فقیر اس ممکن التزویر تحریر کو جو جعل و افتعال سے مامون و مصئون نہیں ہو سکتی، حقوق عباد میں کیوں کر قابل اعتبار و اعتماد خیال کر سکتا؟

ثامناً: فقہاے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر مدعی دعویٰ کرے کہ فلاں نے یہ اراضی مجھ پر وقف کی ہے اور قابض انکار کرے اور کہے کہ یہ تو میری ملک ہے تو وقف کا دعویٰ صحیح نہ ہو گا۔ اگر چہ گواہ شہادت دیں کہ وقف کے دن اس کے قبضے میں تھی۔ کہ کبھی ایسی چیز بھی انسان وقف کر دیتا ہے جو اس کی ملک نہیں ہوتی اور اس کے قبضے میں بطور اجارہ وعاریت ہوتی ہے۔

ذکر فی الاسعاف:

”لو ادعی أن هذه الأرض وقفها فلان علي وذو اليد يجحد الوقف ويقول هي ملكي لايصح وإن شهدت البينة أنها كانت في يده يوم وقفها لأن الإنسان قد يقف ما لا يملكه وقد يكون في يده بإجارة أو إعارة. اهـ ملخصاً“ ❶

تاسعًا: (ا) پھر ایک مدت مدیدو زمانہ بعید ۴۲ بلکہ ۴۶ سال بلکہ اس سے بھی زائد سے اس اراضی میں تصرفات مالکانہ بیع و شرا، رہن و کفالت، ہبہ و زراعت وغیرہ آج تک ہوتے چلے آئے اور

❶ یعنی اگر کسی شخص نے دعوی کیا کہ اس زمین کو فلاں نے مجھ پر وقف کیا ہے اور صاحب زمین وقف کا انکار کرے اور کہے کہ وہ اس زمین کا مالک ہے۔ تو وقف صحیح نہیں ہے۔ اگر چہ گواہ گواہی دیں کہ جس دن وقف کیا زمین اس کے پاس تھی۔ کیوں کہ انسان کبھی اس چیز کو بھی وقف کر دیتا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہوتا اور کبھی وہ زمین اس کے پاس بطور کرایہ یا بطور عاریت ہوتی ہے۔ [الاِسعاف فی أحکام الأوقاف لطرابلسی: ج۱ ص۸۵۔ باب الشھادۃ علی إقرار الواقف]

مدعیوں کے اسلاف اعزہ و اقارب مہر سکوت لگائے بیٹھے رہے۔ کسی نے ان کی طرح کوئی ادعاے قف نہ کیا۔ تو تبصریحات فقہیہ انہیں دعویٰ کا حق نہ رہا۔ دعوے میں شرعاً تمادی عارض ہے۔ یہ تو عزیز قریب ہیں، اجنبی کو بھی ایک زمانہ تک بے عذر شرعی باوجود تصرفات مالکانہ دیکھتے رہنے کے سکوت کرنے سے حق دعویٰ نہیں رہتا۔ درمختار وقف، صفحہ ۴۵۹ میں ہے:

"رآه يبيع عرضا أو دارا فتصرف فيه المشتري زمانا وهو ساكت تسقط دعواه أي إن الأجنبي كالجار مثلا لا يجعل سكوته مسقطا لدعواه بمجرد رؤية البيع، بل لا بد من سكوته أيضا عند رؤيته تصرف المشتري فيه زرعا وبناء، بخلاف الزوجة والقريب، فإن مجرد سكوته عند البيع يمنع دعواه" [1]

(ب) خود مسماۃ ایک زمانہ سے تصرف مالکانہ کر رہی ہے بیع و شرا و رہن کفالت ہوتے چلے آرہے ہیں تو کیوں کر شرعاً انہیں اب کسی دعوے کا حق ہو سکتا ہے۔ ان کے بزرگوں کا سکوت مسقط دعویٰ تھا انہیں کو دعویٰ کا حق نہ رہا تھا تو اب اِنہیں کیا حق رہا۔ درمختار، صفحہ ۴۶۰ میں ہے:

"من لم تسمع دعواه لمانع لا تسمع دعوى وارثه بعده كما في البزازية وغيرها" [2]

---

[1] یعنی کوئی شخص کسی کو سامان یا گھر بیچتے ہوئے اور ایک مدت تک اس میں تصرف کرتے ہوئے خاموشی سے دیکھتا رہے تو اس کا دعوی ساقط ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اجنبی پڑوسی کی طرح ہے۔ تو محض بیع دیکھنے سے اس کا خاموش رہنا اس کے دعوی کو ساقط نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کے لیے بیع کی رویت کے ساتھ زمین میں زراعتی اور تعمیری تصرفات کے وقت بھی اس کا خاموش رہنا ضروری ہے۔ برخلاف بیوی اور قریبی رشتہ دار کے کہ بیع کے وقت ان کا محض خاموش رہنا ہی مانع دعوی ہے۔ یہ عبارت ردالمحتار علی الدرالمختار کی ہے۔ ج ۴ ص ۴۸۲۔ کتاب الوقف، مطلب وقف علی أولادهم وسماهم۔

[2] یعنی جس شخص کا دعوی کسی مانع کی وجہ سے نہ سنا گیا ہو اس کے وارث کا دعوی بھی مسموع نہ ہو گا۔ جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے۔

[یہ عبارت بھی ردالمحتار علی الدرالمختار کی ہے۔ مرجع سابق، ص ۴۸۳]

(ج) غیر کے لیے تو اتنا بھی ہے کہ مثلاً ہمسایہ کے فقط سکوت سے دعویٰ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ضرورت ہے کہ تصرفات مشتری مثل زراعت و تعمیر دیکھ کر بھی سکوت کرے تو ساقط ہوتا ہے مگر بی بی، بھائی وغیرہم اقارب کا صرف بیع وغیرہ ہوتے وقت ہی سکوت کرنا سقوط دعوے کے لیے بس ہے۔ اس سے زائد اس کے لیے کوئی مدت محدودہ نہیں۔

(د) انتباہ! پندرہ برس تک بلاعذر ترک دعویٰ سے دعویٰ میں تمادی آنے کو اس مسئلہ سے تعلق نہیں۔ وہ اور ہے یہ اور۔ نیز وہ ممانعت شاہی ہے قاضی اس کی سماعت سے معزول ہے۔ اگر حکم کرے گا نافذ نہ ہوگا۔ اسی میں ہے:

"فسكوته عند البيع فقط لا يمنع دعواه، بخلاف الزوجة والقريب كما قدمناه،وليس لهذا مدة محدودة وأما عدم سماع الدعوى بعد مضي خمس عشرة سنة إذا تركت بلا عذر فذاك في غير هذه الصورة مع أنه منع سلطاني فيكون القاضي معزولا عن سماعها..إذا تركت هذه المدة عذر كما أوضحته في تنقيح الحامدية"[1]

(ہ) اراضی متنازعہ کا داخل خارج بنام مسماۃ ۲۱ فروری ۱۸۸۹ء کو بعد انتقال اپنے باپ کے ہوا جسے ۱۹۳۱ء سنہ رواں تک ۴۲ سال ہوئے۔ اور مفتی درویش حسن مرحوم والد مسماۃ نے اپنے بھائی مفتی خواجہ حسن مرحوم کا حصہ ۲۱/ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو خریدا، جسے ۴۶ سال ہوئے۔ اور درویش حسن اس سے پہلے قابض و دخیل و متصرف تھے۔ قریب پچاس سال کے زمانہ گذرا اور آج تک باوجود قدرت دعویٰ وقف کا نہ ہوا۔ حالاں کہ ۳۳ سال کی مدت طویلہ کے بعد تو وقف کا دعوی

[1] یعنی اجنبی کا محض بیع کے وقت خاموش رہنا مانع دعوی نہیں۔ برخلاف بیوی اور قریبی رشتہ دار کے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور اس کی کوئی مدت متعیّن و مقرر نہیں ہے۔ اور رہا پندرہ سال کے بعد دعوی کی عدم سماعت جب کہ اسے بلاعذر چھوڑا ہو تو وہ اس صورت کے علاوہ میں ہے، جس میں ممانعت سلطانی پائی جائے کہ اس دعوی کی سماعت کے سلسلے میں قاضی معزول و مجبور ہوگا۔ ہاں البتہ جب کہ اتنی مدت تک سکوت کسی عذر کی بنیاد پر ہو تو حکم الگ ہوگا۔ جیسا کہ العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں اس کی وضاحت ہے۔ [مرجع سابق]

بھی مسموع نہیں ہوتا۔

''قال العلامة الشامي في ردالمحتار: بخلاف الوقف، فإنه لو طالت مدة دعواه بلا عذر ثلاثا وثلاثين سنة لا تسمع كما أفتى به في الحامدية'' (1)

فتاویٰ حامدیہ کے اس فتوے کا ماخذ بحر الرائق کتاب الدعوے کی وہ روایت ہے کہ ابن غرس نے مبسوط سے نقل کی،

''ترك الدعوى ثلاثة وثلاثين سنة ولم يكن له مانع من الدعوى ثم ادعى لم تسمع دعواه؛ لأن ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا'' (2)

جامع الفتاویٰ عتابی سے ہے:

''قال المتأخرون من أهل الفتوى: لا تسمع الدعوى بعد ست وثلاثين سنة إلا أن يكون المدعي غائبا أو صبيا أو مجنونا وليس لهما ولي أو المدعى عليه أميرا جائرا'' (3)

طحطاوی میں خلاصہ سے ہے:

''لا تسمع بعد ثلاثين سنة اھ'' (4)

---

(1) یعنی علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا: برخلاف وقف کے کہ اس میں اگر دعوی کی مدت بلا عذر سال ہوگئی تو دعوی نہیں سنا جائے گا جیسا کہ فتاوی حامدیہ میں یہی فتوی دیا گیا ہے۔
[مرجع سابق: ج۵ ص۴۲۱، ۴۲۲۔ کتاب القضا]

(2) یعنی کسی رکاوٹ کے بغیر تینتیس سال تک دعوی نہ کرنا اور پھر تینتیس سال گزر جانے کے بعد دعوی کرنا مسموع نہ ہوگا اس لیے کہ قدرت کے باوجود دعوی نہ کرنا ظاہری طور پر دعوی کے ناحق ہونے کی دلیل ہے۔ [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ج۷ ص۲۲۸۔ کتاب الدعوی]

(3) یعنی متاخرین مفتیان کرام نے فرمایا کہ چھتیس سال بعد دعوی نہیں سنا جائے گا مگر اس صورت میں جب کہ مدعی اس درمیان غائب ہو یا بچہ ہو یا پاگل ہو اور بچہ اور پاگل ہونے کی صورت میں اس کا کوئی ولی نہ ہو۔ یا مدعی کو ظالم حاکم کا خوف ہو۔ [ردالمحتار علی الردالمختار: ج۵ ص۴۲۲۔ کتاب القضا]

(4) یعنی سال بعد دعوی نہیں سنا جائے گا۔ [حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ج۳ ص۲۰۳۔ کتاب القضاء]

(و) واضح رہے کہ یہ ممانعت بھی بربنائے منع سلطانی نہیں بلکہ منجانب فقہا ہے۔ تو بادشاہ بھی اگر اس دعویٰ کی سماعت کا حکم دے گا تو قابل قبول نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

''ثم لا يخفى أن هذا ليس مبنيا على المنع السلطاني بل هو منع من الفقهاء فلا تسمع الدعوى بعده وإن أمر السلطان بسماعها'' (1)

(ز) یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ انقضائے مدت کا قصہ بھی جب ہی تک ہے کہ کوئی اور امر مانع سماعت دعوی سے ایسا نہ ہو کہ صریح طور پر حق نہ ہونے پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے اعزہ و اقارب کے سامنے بیع وغیرہ ہونا اور ان کا سکوت کرنا اگرچہ انہیں تصرفات مشتری پر اطلاع نہ ہوئی ہو، کہ ان کے سامنے ہونا ان کو علم بیع ہونا ہی سقوط دعویٰ کے لیے کافی ہے۔ اس کے متعلق عبارات اوپر گذری۔ نیز ردالمحتار میں ہے:

''سماع الدعوى قبل مضي المدة المحدودة مقيد بما إذا لم يمنع منه مانع آخر يدل على عدم الحق ظاهرا، لما سيأتي في مسائل شتى آخر الكتاب من أنه لو باع عقارا أو غيره وامرأته أو أحد أقاربه حاضر يعلم به، ثم ادعى ابنه مثلا أنه ملكه لا تسمع دعواه وجعل سكوته كالإفصاح قطعا للتزوير والحيل الخ'' (2)

اس اراضی کا بیع نامہ بنام غلام حسین ٹھیکیدار ۹/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔ دو سال کے قریب

---

(1) یعنی پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ ممانعت منع سلطانی پر مبنی نہیں ہے بلکہ فقہا کی جانب سے ہے لہٰذا اس ممانعت کے بعد دعوی مسموع نہیں خواہ بادشاہ اس کی سماعت کا حکم دے۔
[ردالمحتار علی الردالمختار: ج۵ ص۴۲۲۔ کتاب القضا]

(2) یعنی مقررہ مدت گزر جانے کے بعد دعوی کی سماعت اس شرط پر مقید ہے کہ کوئی دوسرا ایسا مانع ظاہراً نہ پایا جائے جس کا ناحق ہونا ثابت ہو۔ جیسا کہ کتاب کے آخر میں مسائل شتی کے ضمن میں بحث آرہی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے سامان یا اس کے علاوہ کچھ بیچا اور اس وقت اس کی بیوی اور کوئی پہچان والا قریبی رشتہ دار وہاں موجود ہو پھر بعد میں بیچنے والے کا لڑکا اس زمین کی ملکیت کا دعوی کرے تو وہ دعوی نہیں سنا جائے گا اور مدعی کا سکوت رضامندی قرار دیا جائے گا تاکہ دھوکہ و جعل سازی کا خاتمہ ہو۔ [مرجع سابق]

زمانہ گذر لیا، آج اعزہ و اقارب بایعہ کا دعویٰ وقف کیوں کر مسموع ہو سکتا ہے۔ اس دعویٰ میں ضرور شرعًا تمادی عارض ہے۔

(ح) پھر ان کے اسلاف کا یہ سکوت شرعًا اس کا اقرار ہے کہ ان کا کوئی حق اس میں نہیں۔ وہ تصرفات مالکانہ پر راضی رہے تو ان کا دعویٰ خود ان کے اقرار کے مناقص ہے تو کیا قابل سماعت ہے۔ در مختار میں ہے:

"سكوته عند بيع زوجته أو قريبه عقارا إقرار بأنه ليس له. على ما أفتى به مشايخ سمرقند خلافا لمشايخ بخارى فلينظر المفتي أى لاختلاف التصحيح كما سيذكره الشارح. لكن المتون على الأول فقد مشى عليه في الكنز والملتقى آخر الكتاب في مسائل شتى" [1]

مسئلہ تمادی معرکۃ الاراء و مغرکۃ الکبرا مضطرب الکلام مزلۃ الاقدام و مضلۃ الافہام ہے۔

حتي اشتبه علي الفضلاء الكرام والنبلاء العظام كالسيد الحموى والشيخ الصالح بن عبد الله الغزى الى ان دفعه العلامة خير الملة والدين الرملى ونصحه فضيلة حضرة امام اهل السنة ومجدد المائة الحاضرة سيدنا الوالد المرحوم العلام في فتاواه رضى الله تعالىٰ عنه وارضاه وطيب الله ثراه وجعل الغرف مثواه في دار السلام ولنقتبس منها الكلام يسرو النصوص لاضاحة المرام وازاحة الاوهام ففى الفتاوى الخيرية: [2]

---

[1] یعنی اپنی بیوی یا کسی قریبی کے سامان بیچتے وقت خاموش رہنا اس بات کا اقرار ہے کہ اس سامان میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ مشائخ سمرقند نے مشائخ بخارا کے خلاف اسی پر فتوی دیا ہے۔ لہٰذا مفتی کو تصحیح کے اختلاف پر نظر رکھنا چاہیے، جیساکہ شارح اس کا عن قریب ذکر کریں گے۔ لیکن متون قول اول پر ہیں۔ کنز اور ملتقی میں آخر کتاب میں مسائل شتی کے ضمن میں اسی پر جزم کیا ہے۔ [رد المحتار علی الدر المختار: ج۴ ص۴۸۲۔ کتاب الوقف، مطلب وقف علی أولادھم وسماھم]

[2] یعنی حتی کہ سید حموی اور شیخ صالح جیسے معزز و مکرم علما و فضلا کو اس میں شبہ واقع ہوا جسے علامہ خیر الملت والدین رملی نے دور فرمایا اور اس سے متعلق صاحب فضیلت حضرت امام اہل سنت

''سئل فی رجل تلقی بیتا عن والدہ وتصرف فیہ کما کان والدہ من غیر منازع ولا مدافع مدۃ تنوف عن خمسین سنۃ والاٰن برز جماعۃ یدعون ان البیت لجدھم الاعلی، فھل تسمع دعواھم مع اطلاعھم علی التصرف المذکور واطلاع اٰبائھم وعدم مانع یمنعھم من الدعوی، أجاب لا تسمع ھذہ الدعوی و فیھا عن البزازیۃ علیہ الفتوی قطعا لاطماع الفاسدۃ'' ❶

وفی الولواجیۃ ثم الخیریۃ ثم الحامدیۃ وغیرھما رجل تصرف زمانا فی ارض واجل آخر ای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذالک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولدہ فتترک علی ید المتصرف لان الحال شاھد وفی الخیریۃ وبہ افتی شیخ الاسلام شھاب الدین احمد الحلبی المصری۔ ❷

گزشتہ سے پیوستہ: موجودہ صدی کے مجدد ہمارے آقا اور والد مرحوم علامہ نے اپنے فتاوی میں نصیحت فرمائی۔ اللہ پاک ان سے راضی ہو اور وہ اس سے راضی ہوں۔ اور اللہ پاک ان کے مزار کو خوشبودار فرمائے۔ اور جنت میں محل ان کا ٹھکانہ بنائے۔ ہم ان کے فتاوی سے کچھ آسان کلام اور نصوص پیش کرتے ہیں تاکہ مطلب کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ ہو۔

پس فتاوی خیریہ میں ہے:

❶ یعنی ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنے والد سے مکان حاصل کیا اور اس میں تصرف کرتا رہا جس طرح اس کے والد اس میں بغیر روک ٹوک پچاس سال تک تصرف کرتے رہے۔ اور اب ایک گروہ دعوی کرتا ہے یہ گھر اس کے جد اعلیٰ کا ہے۔ تو کیا اس گروہ کا دعوی سنا جائے گا تو جواب دیا گیا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا۔ اور اسی میں سے ہے کہ فتوی اسی پر ہے تاکہ بری لالچ کا خاتمہ ہو۔ [فتاوی خیریہ: ج۲ ص۵۵، ۵۹۔ کتاب الدعوی]

❷ ولوالجیہ، خیریہ پھر حامدیہ اور ان کے علاوہ کتابوں میں ہے کہ ایک شخص ایک مدت تک زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص زمین کو اور اس میں ہونے والے تصرفات کو دیکھتا رہا، کوئی دعوی نہیں کیا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا تو اس کے بعد اس کے لڑکے کا دعوی مسموع نہیں ہوگا، بلکہ زمین کو تصرف کرنے والے کے پاس ہی رہنے دیا جائے گا۔ کیوں کہ حال اس کا گواہ ہے۔ اور خیریہ میں ہے کہ شیخ الاسلام شہاب الدین احمد حلبی مصری نے اسی کا فتوی دیا ہے۔

وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی وفیھا لم یقیدوہ بموت ولا بمدۃ کما تری۔❶

وفی الدر المختار باع عقارا او حیوانا او ثوبا وابنہ او امرأتہ او غیرھما من اقاربہ حاضر یعلم بہ ثم ادعی الابن مثلا انہ ملکہ لا تسمع دعواہ کذا اطلقہ فی الکنز والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویر والحیل۔❷

فتاوی العلامۃ الغزی التمرتاشی سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ .... تسمع دعواہ ام لا اجاب لا تسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوی۔❸

گزشتہ سے پیوستہ: [فتاوی ولوالجیہ: ج۴ ص۱۶۳۔ کتاب الدعوی۔ فتاوی خیریہ: ج۲ ص۵۵، ۵۹۔ کتاب الدعوی۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ: کتاب الدعوی۔ ج۲ ص۳]

❶ اور عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ محض تصرف پر اطلاع ہونا ہی دعوی کے لیے مانع ہے۔ اور اسی میں ہے کہ فقہائے کرام نے اس حکم کو موت اور مدت سے مقید نہیں فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ [العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ: ج۲ ص۴۔ کتاب الدعوی]

❷ اور در مختار میں ہے کہ کسی نے کوئی سامان یا کوئی جانور یا کپڑا بیچا اور بیچنے والے کا بیٹا یا اس کی بیوی یا ان دونوں کے علاوہ کوئی رشتہ دار حاضر تھے اور اس بیع کے بارے میں جانتے تھے بعد میں بیٹے نے دعوی کر دیا کہ یہ چیز میری ہے تو اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا۔ اس کو کنز اور ملتقی میں مطلق بیان کیا اور ایسے معاملہ میں سکوت کو اقرار ٹھہرایا تاکہ جھوٹ اور حیلہ سازی کا راستہ بند ہو۔ [الدر المختار: ج۶ ص۷۴۲، ۷۴۳۔ مسائل شتی]

❸ علامہ محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی کے فتاوی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو ایک حویلی کے کمرہ میں تین سال سے زائد عرصے سے رہ رہا ہے اور گھر میں توڑ پھوڑ وغیرہ تعمیری تصرفات کرتا رہتا ہے اس کا ایک پڑوسی ہے جو ان تصرفات سے واقف ہے۔ اب وہ تین سال بعد اس گھر پر دعوی ملکیت کرتا ہے تو اس کا دعوی سنا جائے گا یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوی مسموع نہیں ہوگا۔ اسی پر فتوی ہے۔ [العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ: ج۲ ص۴۔ کتاب الدعوی]

وفي فتاوى العلامة خير الملة والدين الرملي سئل فى رجل اشترى من اٰخر ستة اذرع من ارض بيد البائع وبنى بهاوتصرف فيه ثم ادعى رجل على البانی المذكوران له ثلثة قراريط ونصف قيراط فى المبيع المذكورارثا عن امه ويريد هدمه والحال ان امه تنظره يتصرف بالبناء والانتفاع المذكورين هل له ذلک ام لا، أجاب لاتسمع دعواه.... ويجعل سكوته... وترک المنازعة اقرارا بانه ملک البائع اه ملخصاً۔ ❶

وفى ردالمحتار قوله وقت البيع والتسليم اى وقت علمه بهما كما افاده كلام الرملى السابق وقد علمت ان البيع غير قيد بل مجرد السكوت عند الاطلاع علي التصرف مانع من الدعوى، قوله زرعا وبناء المراد به كل تصرف لايطلق الاللمالک فهمامن قبيل التمثيل۔ ❷

---

❶ علامہ خیر الملت والدین رملی کے فتاوی میں ہے کہ ایسے شخص کے تعلق سے سوال ہوا جس نے کسی کی زمین سے بائع کے ہاتھ چھ گز زمین خریدی اور ہاں عمارت بنالی اور اسے استعمال کیا پھر کسی اور نے اس پر دعوی کیا کہ اس میں سے ساڑھے تین قیراط جگہ مجھے میری ماں سے میراث میں ملی ہے۔اور وہ اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے حالانکہ مدعی کی ماں تاحیات خریدار کی عمارت کی تعمیر اور اس میں تصرفات کو دیکھتی رہی ہے تو ایسی صورت میں کیا اس شخص کا دعوی مسموع ہوگا یا نہیں؟ جواب دیا گیا کہ اس کا دعوی مسموع نہیں ہوگا۔ اور اس سکوت اور اپنے حق کے لیے جھگڑانہ کرنا اس بات پر اقرار قرار دیا جائے گا کہ بیچنے والا ہی اس زمین کا مالک تھا۔[فتاوی خیریہ:ج۲ص۸۷،۸۸۔کتاب الدعوی]

❷ اور ردالمحتار میں ہے کہ ان کا قول کہ پڑوسی خرید و فروخت کے وقت خاموش رہے۔یعنی جب خرید و فروخت کا پڑوسی کو علم ہوجائے جیسا کہ رملی کے کلام سابق سے معلوم ہوا اور تحقیق تم نے جانا کہ بیع قید نہیں ہے بلکہ محض تصرفات دیکھتے ہوئے خاموش رہنا بھی مانع دعوی ہے۔اور ان کا قول "زراعت و تعمیر" تو اس سے ہر وہ تصرف مراد ہے جو صرف مالک ہی کرسکتا ہے۔اور مصنف کا زراعت و تعمیر ہی کو بیان کرنا بطور مثال ہے۔
[ردالمحتار علی الدرالمختار:ج۶ص۷۴۳۔مسائل شتی]

وفی العقود الدریۃ ثم ان مافی الخلاصۃ والولوالجیۃ یدل علی ان البیع غیر قید بالنسبۃ الی الاجنبی ولو جارا بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی الخ ❶

وفیھما بعد نقل فتوی العلامۃ الغزی کما ذکرناھا فانظر کیف افتی بمنع سماعھا من غیر القریب بمجرد التصرف مع عدم سبق البیع وبدون مضی خمس عشرۃ سنۃ او اکثر وفیھما لم یقیدوہ بمدۃ ولا بموت کما تری وفیھما ولیس ایضا مبنیا علی المنع السلطانی اھ مختصرا" ❷

عاشراً: اب نہ رہا مگر یہ کہ اس باغ میں قبور خاندانی ہیں۔ لہٰذا یہ قبرستان ہے اور قبرستان وقف ہوتا ہے۔ تو اولاً یہ کلیہ ہی صحیح نہیں کہ جہاں قبریں ہوں وہ جگہ خواہ مخواہ وقف ہی ہو۔ بریلی میں بہت سے مکانات و باغات میں قبور ہیں اور وہ ہرگز ہرگز قبرستان نہیں۔ اکثر مالکان باغ اپنے باغوں میں قبور بنواتے اور اپنے عزیزوں کو دفن کراتے ہیں۔ کیا وہ اس سے قبرستان موقوفہ ہو جاتے ہیں؟ ہاں، جہاں زائد قبور ہوں تو زائد سے زائد یہ کہ یہ قرینہ ظاہرہ وقف متصور ہو اور بظاہر یہ خیال ہو کہ یہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہے مگر فقط اس سے کام نہیں چلتا کہ ظاہر مدعا علیہ کے لیے مفید ہو سکتا ہے نہ مدعی کو۔

قاعدہ مستمرہ فقہیہ ہے کہ:

---

❶ اور عقود الدریہ میں ہے کہ وہ جو خلاصہ اور ولوالجیہ میں ہے وہ اس بات پر دلالت ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں ہے اجنبی کے لیے خواہ وہ پڑوسی ہی ہو بلکہ محض تصرفات سے واقف ہونا بھی مانع دعوی ہے۔ الخ۔ [العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ: ج۲ ص۴۔ کتاب الدعوی]

❷ اور خلاصہ و ولوالجیہ میں علامہ غزی کے فتوے کو جسے ہم ذکر کر چکے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ دیکھو انہوں نے پہلے بیع کا دعوی نہ ہونے اور پندرہ سال یا زائد عرصہ کے گزر جانے کا ذکر کیے بغیر کسی بھی اجنبی کے دعوٰی کے غیر مسموع ہونے کا کیسے فتوی دیا ہے۔ اور ان میں فقہا نے کسی مدت یا موت سے بھی دعوی کو مقید نہیں کیا ہے۔ نیز اسی میں ہے کہ یہ کسی حاکم کے منع کرنے پر مبنی نہیں ہے۔ [مرجع سابق]

'' الظاهر يصلح حجة للدفع لا للاستحقاق '' ❶

اگر یہ قبرستان موقوفہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ عامہ مسلمین کو بھی حق دفن ہوتا اور عام مسلمانوں کی میتیں بھی اس میں مدفون ہوتیں۔ اور مثل مسجد و حوض و سقایہ و رباط و قنطرہ واقف و غیر واقف سب کو یکساں حق حاصل ہوتا۔

لأنه لا فرق في الانتفاع في مثل هذه الأشياء بين الغني والفقير حتى جاز للكل النزول في الخان والرباط والشرب من السقاية والدفن في المقبرة، كذا في التبيين-وايضا فيه، لا بأس بأن يشرب من البئر والحوض ويسقي دابته وبعيره ويتوضأ منه، كذا في الظهيرية'' ❷

اور مسجد میں تو اگر تخصیص بالصراحۃ کر دی گئی بھی ہو کہ خاص اہل محلہ کے لیے بنائی تو شرط باطل اور عامہ مسلمین کو حق نماز حاصل۔ فتاویٰ ہندیہ، جلد ۳، صفحہ ۱۳۷ میں ہے:

''لو بنى مسجدا لأهل محلة وقال جعلت هذا المسجدوقال هذا المسجد لأهل هذه المحلة خاصة كان لغير أهل تلك المحلة أن يصلى فيه، هكذا في الذخيرة. ❸

---

❶ یعنی ظاہر دفع کی صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ ثبوت استحقاق کی
[فتاوی عالمگیری: ج۲ص ۳۸۷۔ فصل الوقف علی فقراء قرابتہ]

❷ یعنی ان چیزوں کے مثل میں مال دار اور فقیر کے لیے نفع حاصل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ سرائے اور قلعہ میں ٹھہرنا، سبیل کا پانی پینا اور قبرستان میں دفن کرنا سب کے لیے جائز ہے۔ ایسا ہی تبیین میں ہے۔ اور اسی میں ہے کہ بانی کو کنویں اور حوض سے پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے میں اور وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔
[فتاوی عالمگیری: ج ۲ ص ۴۶۵، ۴۶۶۔ باب في الرباطات والمقابر والخانات والحياض]

❸ یعنی اگر کسی نے محلہ والوں کے لیے مسجد تعمیر کی اور کہا کہ میں نے یہ مسجد خاص اہل محلہ کے لیے تعمیر کرائی ہے تو اس میں محلہ والوں کے علاوہ اور لوگ بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔ [مرجع سابق: ج ۲ ص ۴۵۸۔ باب فی المسجد و ما یتعلق بہ]

اگر کہا جائے کہ یہ مقبرہ موقوف صرف خاندان مفتیان پر موقوف، تو اولاً عامہ گورستان موقوفہ عامہ مسلمین کے لیے وقف ہوتے ہیں نہ کسی خاص خاندان کے لیے۔ ہرگز کسی کو ممانعت دفن نہیں ہوتی، سوا بعض خانقاہوں کے کہ وہ گورستان عامہ نہیں ہوتیں کہ ہر کہ ومہ کو حق دفن حاصل ہو۔ اور جہاں بالخصوص خاندانی قبور پائی جاتی ہیں وہ اکثر موقوفہ نہیں ہوتے۔ یہ بھی ایک قرینہ حسب قاعدہ فقہیہ مذکورہ دفع دعوے وقف کے لیے کافی ہے۔

ثانیاً وقف نامہ مزعومہ میں لفظ بقرار و قبرستان عام ہے۔ اس میں کوئی تخصیص خاندان وغیرہ کی نہیں۔ والمطلق یجری علی اطلاقہ۔ [1]

ثالثاً یہ تخصیص بلا مخصص کس نے مانی؟ اگر کہا جائے کہ واقف نے اسی کی نیت کی تھی اگرچہ اس کی تصریح نہ کی، تو فقیر کہے گا کہ نیت پر اطلاع کا کیا ثبوت؟ واقف خود بھی کہے کہ میری یہی نیت تھی تو محض نیت نہ مفید شرط ہوتی نہ اس کا دعوے مسلم ہوتا۔ در مختار میں ہے:

''لو قال عنيت ذلك لم يصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره'' [2]

توجب خود واقف کی نسبت یہ ہے تو غیر واقف کی کیا حقیقت۔ اس کا کیا ذکر! غرض وقف ہرگز ثابت نہیں۔

۱۸۷۳ھ ۱۸۷۴ھ سے آج تک جو جائداد بائعہ و پدر بائعہ کے ملک و قبضہ میں رہی اُسے کیوں کر محض بے ثبوت کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کی مالکہ نہیں اور اس کے تصرفات سب غصب وظلم وحرام محض ہیں۔ ہر مسلمان پر جس طرح یہ فرض ہے کہ مال وقف و ملک الٰہی کا تحفظ کرے اُس کا اہم واشد ضروری فرض یہ بھی ہے کہ کسی بندے کے مال کو مال الٰہی نہ قرار دے کہ مولیٰ تعالیٰ مالک

---

[1] یعنی مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔
[اصول الشاشی: ج۱ ص ۳۳۔ بحث جواز التوضي بماء الزعفران وأمثاله]

[2] اور اگر واقف یہ کہے کہ تعمیر مسجد کے سلسلے میں میرا ارادہ یہ تھا، تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ تو جب خود واقف کے سلسلے میں یہ حکم دیا گیا ہے تو غیر واقف کی کیا حیثیت۔
[الدر المختار: ج۴ ص ۳۵۸۔ کتاب الوقف]

ارض و سماوات غنی عن العلمین بے پرواہ و بے نیاز ہے۔ اور بندہ محتاج صاحب فقر و احتیاج۔ پھر کسی مفلس محتاج کا مال چھین کر بادشاہ کی نذر کرنے سے کیا بادشاہ خوش ہوگا۔ حاشا۔

''إن الله طيب لا يقبل إلا الطيب'' [1]

اللہ پاک ہے۔ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔

جب مدعی وقف مفتی صادق حسن خود اسی جائداد کو اپنے روپے کی ضمانت میں مکفول و مستغرق کر چکا تو اس کی جانب سے اب دعویٰ وقف محض ہوس ہے۔

(ا) ''ليس له نقض ما تم من جانبه'' [2]

یعنی جب یہ خود ملک مسماۃ مان چکا تو اب اُس کو اُس کے نقض کا کیا حق رہا۔

(ب) ''المرء يوخذ باقراره'' اقرار مرد آزار مرد۔

(ج) یہ دعویٰ مناقض دعویٰ اول ہے تو قول بالمتناقضین کیوں کر قابل سماعت۔

(د) یہ تناقض متضمن ابطال حق بائعہ و مشتری ہے اور ایسا ہی تناقض مانع سماع دعویٰ ہے۔

جامع الفصولین، صفحہ ۱۲۵ میں ہے:

''التناقض إنما يمنع اذا تضمن إبطال حق أحد'' [3]

ان وجوہ وجیہہ قاطعہ اطماع فاسدہ و حیل کاسدہ قامعہ تلبیس و قالعہ تدلیس دافعہ تزویر و فسوق و مانعہ اتلاف حقوق و ضابطہ اعانت علی العقوق سے بخوبی واضح ہے کہ اراضی مبیعہ باغ و جائداد متروکہ مقروقہ ہے۔ نہ قبرستان موقوفہ۔ تلك عشرة كاملة۔

---

[1] [السنن الکبری للبیھقی: ج۳ص ۴۸۲۔ رقم الحدیث ۸۳۹۴]

[2] [العقود الدریۃ: ج۲ص ۳۲۔ کتاب الدعوی۔ الأشباہ والنظائر: ج۱ص ۱۹۵۔ کتاب القضاء والشھادات والدعاوی]

[3] یعنی تناقض اس وقت مانع ہوگا جب اس سے کسی کا کسی پر حق باطل ہوتا ہو۔ [جامع الفصولین: الفصل العاشر في التناقض في الدعاوی۔ ج۱ص ۷۵]

بحث تنقید شہادت

بحث وتمحیص وقف وکاغذ پیش کردہ مدعیان پر تبصرہ وتنقید سے ہمارے یراع وسیع الباع نے بحمدہ تعالیٰ استراحت پائی۔ اب ہم اُس شہادت پر روشنی ڈالتے ہیں جو وقت معائنہ متعلق مسماری قبور وغیرہ ہمارے سامنے آئی۔ تنقید شہادت میں اصولی طور پر بعض باتیں حوالہ قلم کرنا مناسب ہے۔ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص خود سبق حاصل کرسکے گا اور توفیق الٰہی نے دستگیری کی تو وجوہ رد شہادت سے اجتناب کرے گا۔ ع

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس است [1]

اولاً شہادت شرعًا حقوق عباد میں وہی معتبر کہ بلفظ شہادت ہو۔ مثلاً "اشہد" یا اس کے ہم معنی "گواہی میدہم" یا "گواہی دیتا ہوں" کے ساتھ ہو۔ شریعت مطہرہ نے اس لفظ کو رکن شہادت مقرر فرمایا۔ اس کے بغیر شہادت شہادت ہی نہیں، خالی ایک اطلاع محض ہے جو ہرگز ہرگز قابل اعتبار کیا لائق التفات بھی نہیں، کہ وہ معائنہ اور حلف اور خبر سب پر مشتمل ہے اور اُس کے سوا دوسرے میں یہ بات نہیں۔ لہٰذا وہی اس کے لیے متعیّن ہے۔ اور خالی معنی تعبیری سے نہیں نہ اس کے لیے شرع میں دوسرا لفظ منقول۔ اگر یوں کہہ کر شہادت دی کہ میں یقین کے ساتھ بیان کرتا ہوں یا ذاتی علم سے کہتا ہوں جب بھی معتبر نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

"(ورکنها لفظ أشهد) لا غير لتضمنه معنى مشاهدة وقسم وإخبار للحال فكأنه يقول: أقسم بالله لقد اطلعت على ذلك وأنا أخبر به وهذه المعاني مفقودة في غيره فتعين" [2]

---

[1] عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے۔

[2] شہادت کا رکن لفظ اشہد ہے اس کے سوا کوئی لفظ رکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ لفظ مشاہدہ کے معنی اور قسم وحال کی خبر کو شامل ہے۔ گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اس واقعہ پر مطلع ہوا۔ اور میں اس کی خبر دیتا ہوں۔ اور یہ معانی کسی دوسرے لفظ میں نہیں پائے جاتے لہٰذا یہی لفظ متعیّن ہوا۔ [الدرالمختار: ج۵ ص ۴۶۲۔ کتاب الشہادات]

بحرج ۷، صفحہ ۶۰، ۶۱میں ہے:

''اقتصر احتياطا واتباعا للمأثور'' ❶

ردالمحتار میں ہے:

''ولا يخلو عن معنى التعبد إذا لم ينقل غيره'' ❷

تنویرالابصار میں ہے:

''(لزم في الكل) (لفظ أشهد) بلفظ المضارع بالإجماع (لقبولها والعدالة لوجوبه)'' ❸

قرۃالعیون میں ہے:

''حتى لو قال أعلم أو أتيقن لا تقبل شهادته لان النصوص ناطقة بلفظ الشهادة فلا يقوم غيره مقامها'' ❹

ہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۱۰۱میں ہے:

''ولا بد في ذلك كله من العدالة ولفظة الشهادة، فإن لم يذكر الشاهد لفظة

---

❶ یعنی بطور احتیاط منقول کی اتباع میں اسی پر اکتفا کیا گیا۔
[البحرالرائق: ج ۷ ص ۵۵۔کتاب الشہادات]

❷ اور لفظ شہادت معنی عبادت سے خالی نہیں جب کہ شارع کی طرف سے اس کے سوا کوئی دوسرا لفظ منقول نہیں۔ [ردالمحتار: ج ۵ ص ۴۶۲۔کتاب الشہادات]

❸ تمام گواہیوں میں لفظ اشہد مضارع کے لفظ کے ساتھ ہی اجماعاً لازم ہے۔ شہادت کی قبولیت اور گواہ کی عدالت کے واجب ہونے کی وجہ سے۔
[تنویرالابصار مع الدرالمختار: ج ۵ ص ۴۶۲۔کتاب الشہادات]

❹ یعنی یہاں تک کہ اگر گواہ نے کہا کہ "میں جانتا ہوں" یا "میں یقین رکھتا ہوں" تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔ کیوں کہ نصوص سے لفظ شہادت ثابت ہے لہٰذا کوئی دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔
[حاشیہ قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار: ج ۱۱ ص ۹۹۔کتاب الشہادات]

لفظة الشهادة وقال أعلم أو أتيقن لم تقبل شهادته'' [1]

اسی میں ہے:

''أما لفظة الشهادة فلأن النصوص نطقت باشتراطها إذ الأمر فيها بهذه اللفظة ولأن فيها زيادة توكيد، فإن قوله أشهد من ألفاظ اليمين كقوله أشهد بالله فكان الامتناع عن الكذب بهذه اللفظة أشد'' [2]

فتح القدیر، جلد۶، صفحہ۱۰ میں ہے:

وقد وقع الأمر بلفظ الشهادة في قوله تعالى وأقيموا الشهادة لله وقوله عليه الصلاة والسلام إذا رأيت مثل الشمس فاشهد فلزم لذلك لفظ الشهادة'' [3]

فتاویٰ ہندیہ، جلد۳، صفحہ ۴۵۰:

''وأما ركنها فلفظ أشهد بمعنى الخبر دون القسم هكذا في التبيين'' [4]

---

[1] یعنی اس تمام معاملہ میں گواہ کا عادل ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر گواہ نے لفظ شہادت ذکر نہیں کیا بلکہ "میں جانتا ہوں" یا "میں یقین رکھتا ہوں" کہا تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ [الهداية في شرح بداية المبتدي: ج۳ ص۱۱۷۔ کتاب الشہادات]

[2] یعنی لفظ شہادت اس لیے شرط ہے کہ نصوص اس کے شرط ہونے پر ناطق ہیں۔ کیوں کہ نصوص میں اسی لفظ شہادت کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس میں تاکید زیادہ ہے کیوں کہ لفظ اشہد قسم کے الفاظ میں سے ہے۔ جیسا اس کا کہنا کہ میں قسم کھاتا ہوں۔ لہٰذا جھوٹ سے باز رہنے میں یہ لفظ زیادہ سخت ہے۔ [مرجع سابق: ص۱۱۸]

[3] یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان پاک: اور اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی قائم کرو!
میں گواہی کے سلسلے میں لفظ شہادت کے ساتھ حکم واقع ہوا ہے۔
اور رنبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان:
جب سورج کے مثل دیکھ لے تو گواہی دے، میں بھی لفظ شہادت آیا ہے تو اس کی وجہ سے لفظ شہادت لازم ہوا۔ [فتح القدیر لکمال ابن الہمام: ج۷ ص۳۶۷۔ کتاب الشہادات]

[4] یعنی شہادت کا رکن لفظ اشہد خبر کے معنی میں ہے قسم کے معنی میں نہیں۔ ایسا ہی تبیین میں ہے۔ [فتاوی عالمگیری: ج۳ ص۴۵۰۔ کتاب الشہادات]

ثانیاو ثالثاً۔ ہماری شریعت مطہرہ میں پابند نماز نہ ہونا تو معاذاللہ حد درجہ کا فسق ہے بلا عذر صحیح شرعی جو جماعت ترک کیا کرتا ہو ایسے تارک جماعت کی گواہی سے بھی ثبوت قابل قبول نہیں ہوتا۔عالمگیری میں ہے:

''كل فرض له وقت معين كالصلاة والصوم إذا أخر من غير عذر سقطت عدالته'' ❶

اسی میں ہے:

''إذا ترك الرجل الصلاة استخفافا بالجماعة بأن لا يستعظم تفويت الجماعة كما تفعله العوام أو مجانة، أو فسقا لا تجوز شهادته'' ❷

غنیہ میں ہے:

''تاركها من غير عذر يعزر وترد شهادته'' ❸

نہر الفائق میں ہے:

''تركها بلا عذر يوجب اثما مع ان قول العراقيين والخراسانين على انه انما يأثم اذا اعتاد الترك كما في القنية'' ❹

---

❶ یعنی ہر فرض کا ایک وقت مقرر ہے جیسے نماز اور روزہ۔جب بغیر عذر اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا تو عدالت ساقط ہو جائے گی۔

❷ یعنی جب کوئی شخص جماعت کو ہلکا سمجھتے ہوئے نماز چھوڑ دے بایں طور کہ جماعت چھوٹ جانے کو کوئی بڑی بات نہ سمجھے جیساکہ عوام کرتی ہے یا فسق وفجور کے سبب نماز چھوڑ دے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔[مرجع سابق:ص۴۶۶]

❸ یعنی بغیر عذر جماعت چھوڑنے والا مستحق تعذیر ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔

[غنية المستملى شرح منية المصلى:ص۵۰۹۔فصل فی الامامۃ]

❹ یعنی بغیر عذر جماعت چھوڑنا موجب گناہ ہے۔باوجودیکہ عراقی اور خراسانی فقہا کا قول یہ ہے کہ وہ گنہگار تب ہو گا جب ترک جماعت کا عادی ہو۔جیساکہ قنیہ میں ہے۔

[النھر الفائق شرح کنز الدقائق:ج۱ص۲۳۸۔باب الامامۃ]

ردالمحتار ابتداے واجبات میں ہے:

''الجماعة واجبة على الراجح في المذهب أو سنة مؤكدة في حكم الواجب كما في البحر وصرحوا بفسق تاركها'' [1]

رابعًا: علم دین سے بے بہرہ وجاہل ہونا بھی شرعًا وجہ رد شہادت ہے۔ در مختار میں ہے:

''لا تقبل شهادة الجاهل على العالم لفسقه بترك ما يجب تعلمه شرعا فحينئذ لا تقبل شهادته على مثله ولا على غيره، وللحاكم تعزيره على تركه ذلك، ثم قال: والعالم من يستخرج المعنى من التركيب كما يحق وينبغي'' [2]

خامساً: داڑھی منڈانا تو منڈانا حد شرع یعنی چار انگل سے کم کرانا بھی فسق ہے۔ اور شہادت مردود۔ پھر جس شہادت میں محلوق و مقصص اللحیہ کے سوا کوئی نہ ہو تو چاہے کوئی اور وجہ نہ پائی جائے جب بھی ناقابل قبول ہوگی اور قاضی قبول کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

سادسًا۔ مولیٰ تعالیٰ ہمارے علماے کرام پر اپنے نور کے پھولوں کی نچھاور فرمائے انہوں نے اوقافِ قدیمہ کے تحفظ کے لیے ثبوت اصل وقف میں یہاں تک سہولت فرمائی کہ صرف شہرت وسماعی شہادت بھی کافی سمجھی اور بلا شبہ جہاں ثبوت ملک نہ ہو اور وقف بحد استفاضہ وشہرت ہو یا اُس کے وقف ہونے کی شہادت عادلہ اگرچہ سماعی ملے حکم وقف کے لیے کافی ہے۔

در مختار ورد محتار میں ہے:

---

[1] یعنی مذہب راجح میں جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ قریب الواجب ہے۔ جیسا کہ بحر میں ہے۔ اور تارک جماعت کے فاسق ہونے کی فقہا نے تصریح کی ہے۔
[ردالمحتار علی الدر المختار: ج۱ص۴۵۷۔ واجبات الصلاۃ]

[2] یعنی عالم کے خلاف جاہل کی گواہی مقبول نہیں وہ احکام شرعیہ جو واجب ہیں انہیں نہ سیکھنے کے سبب وہ فاسق ہے اور اس کے فاسق ہونے کی صورت میں اس کی شہادت فاسق وغیر فاسق کسی کے خلاف مقبول نہیں۔ بلکہ شرعی احکام نہ سیکھنے کی وجہ سے حاکم اسے سزا دینے کا مجاز ہے۔ پھر کہا کہ عالم وہ ہے الفاظ کی ترکیب سے معنی کا استخراج کر سکے۔ جیسا کہ ثابت اور مناسب ہے۔ [الدر المختار: ج۵ص۴۸۰۔ کتاب الشہادات]

"تقبل فيه الشهادة بالشهرة" ❶

عالمگیری میں ہے:

"الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز" ❷

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"وفي الوقف يسوغ للشاهد ان يشهد بالسماع ويطلق ولا يضر في شهادته قول بعد شهادته لم اعائن الوقف ولكن اشتهر عندي او اخبرني به من اثق به اه" ❸

لیکن اُس کے یہ معنی نہیں کہ دو ایک رشتے ناتے کنبے قبیلے کے مل کر کسی کی مملوکہ شی پر حملہ کریں اور وہ شہرت کی تعریف میں آجائے۔ یوں ہو تو املاک عباد سے امان اٹھ جائے۔ حق تلفیوں کا راستہ کھل جائے۔ اور اضاعت حقوق و اعانت عقوق کے لیے باغراض فاسدہ و حیل کاسدہ دو چار دس پانچ جمع ہو کر تواطوء علی الکذب کرلیں۔ اور باہم اتفاق کر کے ان دس چیزوں میں سے جن میں سنی سنائی گواہی مقبول ہے کسی پر شہادت دے دیں اور شہرت و سماعی شہادت کی بنا پر ڈگری حاصل کرلیں۔ بلکہ اُس کے یہ معنی ہیں کہ ایسی جماعت عظیمہ جس کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا متصور نہ ہو اور عقل سلیم ان کا جھوٹ پر اجتماع کسی طرح تسلیم نہ کرے، اس کی اخبار کی بنا پر شہادت ہو یا دو گواہان عادل ثقہ ثبت شہادت شرعی ادا کریں۔ ان کی شہادت پر شاہدان عدل و ثوق کر کے شہادت دیں تو یہ شہادت بربنائے شہرت و سماع قابل قبول ہوگی۔ درمختار میں ہے:

---

❶ یعنی شہرت کی بنیاد پر وقف سے متعلق گواہی مقبول ہے۔
[مرجع سابق: ج۴ص۴۱۱۔ فصل اجارة الواقف]

❷ یعنی شہرت کی بنیاد پر وقف پر گواہی دینا جائز ہے۔
[فتاوی عالمگیری: ج۲ص۴۳۴۔ فصل فی الشہادۃ]

❸ یعنی وقف کے سلسلے میں گواہ کے لیے سن کر گواہی دینا اور اسے مطلق رکھنا جائز ہے اور شہادت دینے کے بعد یہ کہنا کہ میں نے وقف کا معائنہ نہیں کیا البتہ میرے نزدیک وہ وقف مشہور ہے یا مجھے کسی قابل اعتماد آدمی سے اس کے وقف ہونے کی خبر ملی، اس کی گواہی کے لیے نقصان دہ نہیں۔ [فتاوی خیریہ: ج۱ص۲۰۳۔ کتاب الوقف]

(ولا) يشهد أحد (بما لم يعاينه) بالإجماع (إلا في) عشرة .... العتق والولاء عند الثاني والمهر على الأصح ... و (النسب والموت والنكاح والدخول) ... (وولاية القاضي وأصل الوقف) وقيل وشرائطه على المختار كما مر" ❶

پھر فرمایا:

"فله الشهادة بذلك إذا أخبره بها) بهذه الأشياء (من يثق) الشاهد (به) من خبر جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب بلا شرط عدالة أو شهادة عدلين إلا في الموت، فيكفي العدل ولو أنثى وهو المختار" ❷

(اراضیِ مبیعہ مفروقہ ہے نہ موقوفہ نہ وقف ہونے کی شہرت۔ اور محض قبور کا پایا جانا وہ یہاں ثبوت کے لیے ناکافی۔ بہت سے باغات مثل حسین باغ وغیرہ میں قبور ہیں مگر وہ قبرستان وقفی نہیں)

سابعًا: واجب الحفظ وقف پر شہادت خالصا لوجہ اللہ شہادت حسبہ ہے۔ اور شاہد حسبہ بے عذر شرعی اگر ادا میں تعویق و تاخیر کرے تو اس کی شہادت قابل سماعت نہیں۔ اس لیے کہ وہ وقف پر ناجائز قبضہ ناروا تصرف دیکھتا رہا۔ ظالم خائن مال الٰہی کھلاتا رہا اور وہ چپکا بیٹھا رہا۔ لہٰذا اُس کا بلا وجہ یہ سکوت رضا و اعانت علی الاثم ہے۔ کہ یہ سکوت نہ کرتا تو وہ کیوں اتنا موقع پاتا۔ اُس نے یہ ظلم و غصب روا رکھا لہٰذا فاسق ہوا اور شہادت نامقبول۔

---

❶ یعنی گواہ کے لیے بغیر دیکھے گواہی دینا جائز نہیں سوائے دس چیزوں کے۔ عتق اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور مہر اصح قول کے مطابق۔ اور نسب، موت، نکاح، جماع اور قاضی کی ولایت اور اصل وقف۔ اور کہا گیا ہے کہ شرائط وقف بھی مذہب مختار پر جیسا کہ گزرا۔

[الدر المختار: ج۵ ص ۵۷۰، ۵۷۱۔ کتاب الشہادات]

❷ یعنی ان مذکورہ دس چیزوں کی گواہی سن کر بھی دے سکتا ہے جب کہ گواہ کو وہ آدمی خبر دے جس پر گواہ کو بھروسہ ہو۔ یعنی گواہ نے ایسی جماعت سے خبر سنی ہو جس جماعت کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو۔ یہاں خبر دینے والوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ یا دو عادل گواہوں سے سن کر شہادت دے، موت کے علاوہ۔ کیوں کہ موت کی خبر کے لیے ایک ہی عادل شخص کی خبر کافی ہے۔ خواہ وہ عورت ہی ہو اور یہی مختار ہے۔ [مرجع سابق]

ردالمحتار میں ہے:

''شاهد الحسبة إذا أخرها لغير عذر لا تقبل لفسقه أشباه عن القنية وقال ابن نجيم في رسالته المؤلفة فيما تسمع فيه الشهادة حسبة ومقتضاه أن الشاهد في الوقف كذلك''❶

عقودالدریہ میں ہے:

''(سئل) فيما إذا باع زيد عقاره المعلوم من عمرو وتصرف به عمرو مدة مديدة ورجلان معاينان مشاهدان لذلك كله ومطلعان عليه ويريدان الآن أن يشهدا حسبة بأن العقار وقف كذا وقد أخرا شهادتهما بلا عذر شرعي ولا تأويل فهل حيث كان الأمر كما ذكر لا تقبل شهادتهما؟

(الجواب) : شاهد الحسبة إذا أخر شهادته بلا عذر شرعي مع تمكنه من أدائها لا تقبل شهادته كما في الأشباه وغيرها''❷

یہاں وقف کی یہ شہادت آج ادا ہوتی ہے۔ مسماۃ پہلے سے تصرفات مالکانہ کرتی رہی، مصدقہ

---

❶ شاہد حسبہ یعنی نیک کام میں گواہی دینے والا اگر بغیر عذر گواہی میں دیر کرے تو فسق کی وجہ سے اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ اشباہ میں قنیہ کے حوالے سے ہے۔
اور ابن نجیم نے اپنی تالیف کردہ کتاب میں، ان معاملات کے سلسلے میں جن میں حسبہ کی گواہی مسموع ہوتی ہے فرمایا کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وقف میں گواہی دینے والے کا حکم بھی یہی ہو۔ [ردالمحتار علی الدرالمختار: ج۴ص ۴۱۰۔ فصل اجارۃ الوقف]

❷ یعنی سوال کیا گیا کہ زید نے اپنی مشہور زمین عمرو کے ہاتھ بیچ دی اور عمرو اس میں ایک طویل مدت تک تصرف کرتا رہا۔ دو لوگ عمرو کے اس تصرف کو دیکھتے رہے اور اس پر مطلع رہے اب وہ دونوں لوجہ اللہ زمین کے وقف ہونے کی گواہی دینا چاہتے ہیں کہ حالاں کہ ان دونوں لوگوں نے عذر شرعی اور کسی معقول تاویل کے بغیر گواہی دینے میں دیر کی تو کیا یہاں بھی معاملہ وہی ہے کہ ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ جواب دیا گیا کہ شاہد حسبہ اگر گواہی پر قادر ہو اور پھر بھی بغیر عذر شرعی گواہی میں دیر کرے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: ج۱ص ۳۲۵۔ کتاب الشہادت]

کفالت نامے وغیرہ موجود ہیں۔ اُس وقت رگ حمیت وقف نہ پھڑکی؟ خود مفتی صادق حسن نے اسے مکفول رکھا اور اس پر اپنے قرض کا بار ڈالا۔ اُس وقت مفتی صادق حسن اور اُن کے بھائی صاحبان کو قصہ وقف یاد نہ آیا؟ اگر یہ وقف تھا تو تمام بزرگان خاندان پر یہی الزام عائد ہوگا۔ منصور حسن اور خواجہ حسن نے ادعاے ملک کیا۔ درویش حسن و مسماۃ غوثیہ خاتون کا نام خانہ ملکیت میں آج تک درج رہا اور اس کے منافع کھائے جاتے رہے۔ ذراعت وغرس تحصیل وصول کے تصرفات مالکانہ ہوتے رہے۔ سب نے سکوت علے الباطل کیا۔ اس ظلم و غصب پر راضی رہے۔ مقدمات ہوتے رہے کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ وقف کی حمایت کرتا۔ سوال میں تحریر ہے کہ سائل نے ۱۹۲۹ء کو یہ باغ خریدا۔ اور اب ایک سال سے زائد ہوا کہ اُس نے احاطہ کی تعمیر کرائی۔ ان تصرفات کو دیکھ کر بھی مہر سکوت لگی رہی تو جتنے ادعاے وقف کے شاہد ہیں سب کی شہادت مردود و ناقابل سماعت۔ وہ شاہد حسبہ تھے اور اتنے دنوں میں بلا سبب شہادت میں تاخیر سے بحکم شرع فاسق ہوگئے اور فاسق کی شہادت ناقابل قبول۔

ثامناً: سود حرام ہے اور سود خور کی شہادت مردود اور مسماۃ کی جائداد کے ٹھیکہ کی دستاویز میں کفالت اراضی باغ کے ساتھ دو سو روپیہ زر پیشگی پرے فیصدی کا سود موجود تو شہادت بے سود۔ **والعیاذ باللہ العزیز الغفور الودود۔**

تنقید شہادت سے ہمارے شبدیز کلک گہر ریز نے فراغت پائی۔ فللہ الحمد اب ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ جب یہ جائداد اسلاف خاندانی میں بطور ترکہ بٹی اور بیع و شرا و ہبہ وغیرہ کے تصرفات ہوتے رہے آج تک بایعہ اور اس کے باپ دادا کا نام درج کھیوٹ چلا آتا رہا اور اس کے چچا نے اپنا حصہ بنام اس کے والد کے بیچا اور سب ساکت رہے۔ اور منصور حسن نے بھی دعویٰ ملک کیا۔ اور مفتی خواجہ حسن نے اس میں چودہ حصے بتائے تو یہ خود آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ یہ جائداد موقوفہ نہیں متروکہ خاندانی موروثی ہے۔ لہٰذا اب غلام حسین ٹھیکیدار نے جو تصرفات کیے اس پر وہ احکام جو بحالت وقف متفرع ہوتے نہ رہے۔

(۱) قبور مسلمین کے مسمار کرنے کا الزام ع

دعواے بے دلیل قبول خرد نہیں

(۲) اُس قطعہ میں جو بیچا گیا اور غلام حسین نے خریدا جس قدر قبور باضابطہ نقشہ مدخلہ میں اُس وقت تھیں بجنسہا موجود ہیں یہ کل بارہ تیرہ پختہ قبریں ہیں۔ فقیر نے انہیں خود معائنہ کیا۔ سب محفوظ ہیں۔

(۳) سوال اول میں تحریر تھا کہ "برابر مسمار کر چکا اور کرا رہا ہے" حالاں کہ نقشہ اس کا مکذب ہے۔ اور نقشہ بننے سے پہلے اگر قبور مسمار کی گئی ہوں تو اس کا الزام غلام حسین پر ہونے کے کیا معنی؟ اور یہ کہنا کہ غلام حسین مسمار کر چکا اور کرا رہا ہے دروغ بے فروغ۔

(۴) غلام حسین نے جو احاطہ تعمیر کرایا اُس میں بھی احتیاط برتی کہ اپنی اراضی کا کچھ حصہ چھوڑ کر دیوار کو کج کر لیا جیسا کہ معائنہ موقع سے ظاہر ہے۔ قبور کے احترام کو ملحوظ رکھا ان پر دیوار نہ بنائی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ غلام حسین ہرگز اس جرم کو مرتکب نہیں۔

(۵) اب رہا وہ قطعہ آراضی جو خریدا نہیں اُس کے قبور کو مسمار کرنے سے غلام حسین کو کیا غرض تھی؟ وہ اپنا روپیہ خواہ مخواہ قبور مسلمین کی پامالی میں کیوں صرف کرتا؟ لہٰذا اسے تو عقل قبول نہیں کرتی کہ غلام حسین نے ناخریدہ قطعہ کی قبور مسمار کیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالسرائر۔**

مگر موسم بارش میں جس قدر گھاس ایسے مقامات پر بکثرت اور بڑی ہونا چاہیے ایسی حالت نہ تھی اس لیے فقیر کو اس کی فکر رہی۔ اور تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ کام بائعہ کے کارندے کا ہے جس نے فقیر کے سامنے بحلف اقرار بھی کر لیا۔ مگر اس طور کہ آندھی میں کچھ درخت گر گئے تھے ان کو جدا کیا گیا قبور کی درستی کرائی گئی پھر اس میں بائع و مشتری پر کیا الزام؟ یہ تو قبور کی حفاظت اور اُنہیں پامالی سے بچانا ہوا نہ کہ پامال کرنا۔

یہاں ایک شرعی مسئلہ قابل لحاظ ہے یاد رکھنا چاہیے کہ جو قبور قبرستان موقوفہ میں ہوں وہ تو ہر طرح محفوظ ہیں لیکن کسی کی مملوک زمین میں قبر بنانا مالک کے ترحم خسروانہ پر چھوڑ دینا ہے۔ اگر بلا اجازت ہو تو یہ دفن ارض مغصوبہ میں ہونے کا حکم رکھے گا۔ بے اذن جو مردہ دفن کیا جائے مالک کو اختیار ہے کہ وہاں سے اکھیڑ کر دوسری جگہ دفن کرنے پر مجبور کرے۔ نہ ماننے پر میت کو خود نکال کر اپنی زمین ہموار کر دے اس پر کھیتی کرے کوئی مکان بنائے اور باجازت ہو جب بھی

روایت علامہ زیلعی کی بنا پر بعد زوال مانع مالک اپنی ملک میں تصرف سے مجبور نہ ہوگا۔ لیکن اگر قبرستان وقفی ہے تو اگرچہ ہزاروں برس گذر جائیں اس میں قطعاً کسی قسم کا کوئی تصرف مثل زرع و بناوغیرہ خلاف اغراض وقف کرنے کا کبھی اختیار نہ ہوگا۔ بحر و در مختار عالمگیری وغیرہا کتب فقہیہ میں جس میں علامہ زیلعی سے ہے:

''ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه'' (1)

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ اہلاک الوہابین میں روایت مذکورہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''اگر کسی کی ملک میں کوئی میّت دفن کردی گئی ہو، تو جب وہ بالکل خاک ہوجائے مالک کو رواہے کہ وہاں کھیتی کرے، گھر بنائے جو چاہے کرے،

لان الملک مطلق والمانع زال وهذا ايضا اذا كان ذٰلک باذنه والا ففي الغصب له اخراج الميّت وتسوية الارض كما هي لحديث ليس لعرق ظالم حق''

کیوں کہ ملک مطلق ہے اور مانع زائل ہوگیا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب کہ اس کی اجازت سے ہو ورنہ غصب کی صورت میں اسے حق ہے کہ میت کو نکالے اور زمین برابر کرے جیسے تھی۔ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ زمین پر ظالم کا حق نہیں ہے۔'' (2)

تو اس روایت کی بنا پر کوئی مالک زمین اگر کچھ تصرفات اپنی زمین مملوکہ میں بالفرض کرے بھی تو اُس پر الزام نہیں۔ کہ اپنی ملک میں وہ ہر طرح تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ اُس پر فسق و ارتکاب حرام کا حکم شرعاً نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ہمارے فتویٰ سابقہ کا وہ حکم کہ بائع و مشتری دونوں فاجر مرتکب کبائر مستحق عذاب نار و غضب قہر قہار ہیں اور ان سے مقاطعہ کی ہدایت۔

اب غلام حسین ٹھیکیدار سے اصلاً متعلق نہیں وہ یقیناً اس الزام سے بری ہے اور اِس بنا پر

---

(1) یعنی اگر میت بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے یوں ہی اس میں کھیتی کرنا اور اس پر عمارت بنانا بھی جائز ہے۔

[بحرالرائق: ج۲ ص ۲۱۰۔ کتاب الجنائز۔ ردالمحتار: ج۲ ص ۲۳۳۔ مطلب في دفن الميت۔ فتاوی عالمگیری: ج۱ ص ۱۶۷۔ فصل فی الشہید]

(2) [اہلاک الوھابین فی توھین قبور المسلمین مشمولہ فتاوی رضویہ جدید: ج۹ ص ۴۷۴]

اب اُس سے مقاطعہ گناہ حرام۔

حدیث میں ہے:

''لا یحل لمسلم أن یھجر أخاہ فوق ثلاث لیال، یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا، وخیرھما الذي یبدأ بالسلام، رواہ فی الصحیحین عن سیدنا ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' (1)

حدیث میں ہے:

''لا یحل لمسلم أن یھجر أخاہ فوق ثلاث، فمن ھجر فوق ثلاث فمات دخل النار رواہ احمد وابوداؤد عن ابي ھریرۃ'' (2)

میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بائعہ و مشتری کو احترام قبور کا خود خیال تھا۔اسی سے آراضی متنازعہ کے دو حصے کیے گئے۔قبرستان والے حصے کو محفوظ رکھا گیا۔نہ وہ بائعہ نے بیچا نہ مشتری نے خریدا۔بلکہ اس کی چار دیواری بنا کر تمام راستے اور جانوروں کی آمد ورفت بول وبراز و پامالی سے غلام حسین مشتری نے زرکثیر صرف کر کے محفوظ کر دیا۔

فجزاہ اللہ تعالي خیر الجزاء

اگر احترام قبور مقصود نہ ہوتا تو اسے اپنا صرف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ معائنہ موقع سے صاف ظاہر ہے کہ سرخ رنگ کے قطعہ میں جو جو زیر بیع آیا ہے جس قدر قبور نقشے میں قبل

---

(1) یعنی مسلمان کو اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق اور راستہ میں ملاقات ہو تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لینا جائز نہیں ہے۔اوران دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔اس حدیث کو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت سیدنا ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا۔[صحیح بخاری: رقم الحدیث، ۶۰۷۷۔باب الہجرۃ۔
صحیح مسلم: رقم الحدیث ۲۵۶۰۔باب تحریم الھجر...]

(2) یعنی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔تو جس نے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھا اور اسی حالت میں مرگیا تو جہنم میں داخل ہوا۔اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے رروایت کیا۔
[سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۹۱۴۔مسند الإمام أحمد بن حنبل: رقم الحدیث ۹۰۹۲]

بیع تھیں اب بھی موجود ہیں۔ اور دوسرا قطعہ جو رنگ زرد کا ہے اس میں قبرستان ہے، اس سے غلام حسین کا کوئی تعلق نہیں۔ نیز اس نے اپنی زمین چھوڑ کر دیوار کو بعض مقامات پر کج کر لیا۔ اس سے صاف ظاہر کہ ہرگز ہرگز غلام حسین نے مقابر کو مسمار نہ کیا نہ دیوار میں دبایا۔ وہ بلاشبہ اس الزام سے بری ہے اس کے ساتھ ایسا گمان بدظنی ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام۔

قال تعالیٰ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (1)

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو کہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔

حدیث میں ہے:

''إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث، ولا تجسسوا، ولا تحسسوا'' (2)

لہٰذا جب فقیر نے احتیاط برتی۔ کیف وقد قیل کی بنا پر غلام حسین کو ہدایت بھی کی اور توبہ انابت ور جوع الی اللہ کے لیے کہا تو بطیب خاطر امتثال کیا۔ مسلمانوں میں دنیاوی رنجش حرام ہے۔

''البغض للہ والحب للہ''

اللہ کے لیے عداوت اللہ کے لیے محبت ہونا چاہیے۔ حدیث میں ہے:

''لا تؤمنوا حتی تحابوا'' (3)

تم مسلمان نہیں جب تک آپس میں محبت نہ رکھو۔

''لا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وکونوا عباد اللہ إخوانا

رواہ الشیخان عن ابي هريرة'' (4)

بغض و حسد نہ کرو اور مقاطعہ نہ کرو اور ہو جاؤ بندگان خدا بھائی بھائی۔

---

(1) [القرآن الکریم: پارہ ٢٦۔ سورہ حجرات۔ آیت ١٢]

(2) یعنی بدگمانی سے بچو! کہ یہ بڑی جھوٹی بات ہے۔ اور کسی کی ٹوہ میں مت لگو کسی کی مخبری مت کرو!۔ [صحیح بخاری: رقم الحدیث ٥١٤٣]

(3) [صحیح مسلم: رقم الحدیث ٥٤]

(4) [صحیح بخاری: رقم الحدیث ٦٠٦٦۔ صحیح مسلم: رقم الحدیث ٢٥٦٣]

افسوس کہ ذاتی رنجش کی بنا پر ایک خلاف واقع استفتا پیش کر کے میرے قلم سے بھی مسلمانوں کو روحانی تکلیف میں مبتلا کیا اور اذیت پہنچائی۔ مالی مضرت کی کوشش کی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بلا شبہ مسلمان کو اذیت پہنچانا، مضرت دینا سخت گناہ کبیرہ و حرام و باعث اثام و آثام ہے۔ اور اس کا مرتکب و معین و مدد گار فاسق فاجر مرتکب کبائر سخت گناہگار مستحق عذاب نار و غضب جبار و قہر قہار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ حدیث میں ہے:

''من آذی مسلما فقد آذانی و من آذانی فقد آذی اللہ'' ❶

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا پہنچائی۔

نیز حدیث میں ہے:

من ضار أضر اللہ بہ و من شاق شق اللہ علیہ رواہ ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ'' ❷

دوسری حدیث میں ہے:

''ملعون من ضار مؤمنا أو مکر بہ رواہ الترمذی عن ابی الصدیق قال ھذا حدیث غریب'' ❸

جس نے مسلمان کو مضرت پہنچائی یا پھوٹ ڈالی یا اُس سے مکر کیا وہ ملعون ہے۔ اللہ اسے مضرت دے گا۔

اور بحکم قرآن کریم افترا و بہتان اٹھانا مسلمان پر حرام۔

قال تعالیٰ:

فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ ❹

و قال تعالیٰ:

❶ [المعجم الاوسط للطبرانی: رقم الحدیث ۳۶۰۷]

❷ [سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث ۲۳۴۲]

❸ [سنن ترمذی: رقم الحدیث ۱۹۴۱]

❹ [القرآن الکریم: پارہ ۵ سورہ نساء آیت ۱۱۲۔ ترجمہ کنزالایمان]

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا۔ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا۔ (1)

اور جو لوگ ایمان والے مردوں عورتوں کو بے کیے اذیت دیتے ہیں انہوں نے اپنے سر لیا کھلا بہتان۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر لعنت اتاری اور ان کے لیے تیار کیا رسوائی کا عذاب۔

الحمدللہ مراتب سوال کے تمام جوابات سے فراغت پائی۔ استفتاے اول میں جو یہ الزام تھا، کہ باغ کے تمام درخت کاٹ لیے گئے، اس کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قبرستان موقوفہ کے بھی درخت وقف نہیں ہوتے کمافی الہندیہ۔

آخر میں مجھے اتنا کہنا ہے کہ وقف و مسماری قبور کے متعلق جو احکام تھے وہ تو بوجہ عدم ثبوت مسترد ہو گئے۔ اور بایعہ و مشتری پر کوئی جرم شرعی ثابت نہ رہا۔ مگر فتویٰ اول میں تحفظ مقابر کا حصہ بجاے خود باقی ہے۔ قطعہ سرخ میں تو صرف ۱۲، ۱۳ قبریں پختہ ہیں مگر حصہ غیر مبیعہ زرد رنگ میں بکثرت مقابر ہیں ان کی حفاظت کا خیال ہمیشہ ہمیشہ ضرور ہے۔ بلاشبہ قبور مسلمین مستحق تکریم و تعظیم اور ان کی توہین گناہ و محکوم التحریم۔ علماے اعلام و فقہاے ذوی الاحترام فرماتے ہیں: کہ قبر پر پاؤں رکھنا گناہ کہ سقف قبر حق مقبور ہے۔ قنیہ میں امام علامہ ترجمانی سے ہے:

''یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت'' (2)

سلطان کونین و خاقان دارین سرکار ابد قرار تاجدار احب الدیار مالک رقاب الامم دیان العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کے پاے مبارک کی مقدس خاک کی قرآن عظیم نے قسم یاد فرمائی۔ جن کی عزت والی نعلین کریمین عرش معلی کی زینت بنیں۔ حضرت موسیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو وادی ایمن و طور سینا کے میدان میں فاخلع نعلیک کا حکم ہوا اور اس عظمت والے محبوب کو

(1) [القرآن الکریم: پارہ ۲۲۔ سورہ احزاب آیت ۵۷، ۵۸]

(2) یعنی قبروں کو پاؤں سے روندنے سے گنہگار ہو گا کیوں کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔
[فتاویٰ قنیہ کتاب الکراھیۃ والاستحسان ص ۱۶۷]

اپنے عرش بریں پر تشریف فرما ہوتے ہوئے نعلین مبارک اتارنے کا حکم نہ فرمایا۔ علامہ یوسف نبہانی نے کیا خوب فرمایا:

علی رأس هذا الکون نعل محمد علت فجمیع الخلق تحت ظلاله

لدی طور موسی نودی اخلع واحمد علی العرش لم یؤذن بخلع نعاله ❶

اگرچہ علمائے کرام محدثین کو اس میں کلام ہے مگر صوفیہ صافیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریق پر صحیح ہے۔ کما ذکرہ العلامة الاجھوری فی المعراج۔ ❷

ان کا قدم مبارک مسلمانوں کے سر آنکھوں پر پڑنا کیسی عزت وعظمت ورحمت وعظیم لذت کا باعث ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی نعمت وراحت ہے۔ ان کے پائے مبارک کی ایک ٹھوکر پر ہزار جنتیں نثار۔ ان کا پیارا پیارا ارشاد ہے:

''لأن أمشی علی جمرة، أو سیف، أو أخصف نعلی بر جلی، أحب إلی من أن أمشی علی قبر مسلم''

انگاروں اور تیز تلواروں کی دھاروں پر چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔ رواہ ابن ماجہ بسند عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ❸

اس کا خیال ہر مسلمان کو چاہیے۔

واللہ الموفق والمعین وصلي الله تعالي خیر خلقه ونور عرشه وعروس مملکته سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول رب العلمین وعلي آله الطیبین واصحابه الطاهرین وازواجه امهات المومنین وعلینا معهم وبهم ولهم وفیهم

---

❶ ''اس کائنات کے سر پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعل پاک ہے اور وہ اس قدر بلند وبالا ہے کہ ساری مخلوق اس کے سایہ میں ہے۔ کوہ طور پر حضرت موسی علیہ السلام کو نعلین پاک اتارنے کا حکم ہوا اور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عرش پر بھی نعلین اتارنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ [جواہر البحار فی فضائل النبی المختار: ج۳ ص۹۷۵]

❷ [النور الوہاج فی الکلام علی الاسرا والمعراج۔ مخطوطہ۔ ص۱۱۶]

❸ [سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث ۱۵۶۷۔ باب ماجاء فی النهي عن المشي علی القبور]

اجمعین برحمتك یاارحم الراحمین وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔[1]

کتبـــہ

محمد المدعو بحامد رضا القادری النوری الرضوی البریلوی

سقاہ ربہ من یمر منهل کرمہ الهروی۔ آمین۔

الجواب صحیح

محمد عبدالعزیز عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ اہل سنت

لقد اصاب من اجاب

فقیر سردار علی خادم دارالعلوم بریلی

صح الجواب واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فقیر احسان علی عفی عنہ مظفرپوری۔ خادم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۱۳۵۰ھ

الجواب صحیح

فقیر ابوالمعانی محمد ابرار حسین صدیقی تلہری

الجواب صحیح

محمد تقدس علی خاں قادری رضوی۔

صح الجواب۔ فقیر سید حبیب احمد محسنی غفرلہ

---

[1] اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔ اور اللہ کی رحمت نازل ہو اس کی مخلوق میں سب سے بہتر، اس کے عرش کے نور، اس کی خدائی کے دولہا، رسولوں کے سردار، ہمارے سردار اور ہمارے آقا محمد سارے جہان والوں کے مالک کے رسول اور ان کی پاک آل، ان کے پاکیزہ صفات اصحاب اور ان کی بیویاں مومنین کی مائیں اور ان سب کے ساتھ ان کے صدقے اور سبب ہم پر بھی اپنی رحمت نازل فرما۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے۔ اور ہماری آخری عرض یہ ہے کہ سب خوبیاں سارے جہان والوں کے مالک اللہ کے لیے ہیں۔

(تخریج وغیرہ کا کام بحمد اللہ مکمل ہوا۔ محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولابویہ)

کتاب کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ 1350ھ/1931ء کا سرِورق

الحمد للہ

اسمہ بالتاریخ

بجواب مسئول غلام حسین

مطبوعہ

طابع رضوی بریلی

مالیگاؤں میں
فلاحی و علمی مرکز کی تعمیر کا عظیم منصوبہ

اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر

* سرپرست *

علامہ قمر الزماں اعظمی (ورلڈ اسلامک مشن)
علامہ محمد ارشد مصباحی (اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، مانچسٹر)

فلاحی خدمات — لائبریری
تربیتی کلاسیس — تصنیف و تالیف
اشاعت و ترسیلِ کتب — کمپیوٹر سینٹر
دعوت و تبلیغ

الحمدللہ! قلب شہر میں زمین خریدی جا چکی ہے۔ عمارت کی تعمیر کے لیے اصحابِ خیر سے تعاون کی گزارش ہے۔
فروغِ مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے نقد اور تعمیری اشیا سے نواز کر اس علمی مرکز کو مستحکم کریں۔

غلام مصطفیٰ رضوی : 9325028586 • فرید رضوی : 9273574090
معین پٹھان : 7588815888

رابطہ

نوری مشن، معرفت: مدینہ کتاب گھر، مدینہ مسجد، آگرہ روڈ، مالیگاؤں (انڈیا)
noori_mission@yahoo.com